بیاد پروفیسر سید منظر حسن دسنوی مرحوم
اور سید شکیل دسنوی مرحوم
شعروادب کی صالح قدروں اور عصری رجحانات کا ترجمان

اشاعت کا سولہواں سال ٦٦ رواں شمارہ

سہہ ماہی **ادبی محاذ** کٹک

خط و کتابت اور ترسیل زر کا پتہ
سعید رحمانی۔ دیوان بازار۔ پوسٹ۔ بخشی بازار، کٹک۔ 753001 (اڈیشا)
09437067585 (ضروری جانکاری کے لیے)
E-mail: adbimahaz@gmail.com
E-mail: Sayeedrahmani@gmail..com
Website: http//www.sayeedrahmani.blogspot.com

قیمت فی شمارہ: ۲۵ روپے زرِ سالانہ: ۱۰۰ روپے
رجسٹری ڈاک سے زرِ سالانہ۔ ۲۰۰ روپے
خصوصی زرِ سالانہ: ۲۰۰ روپے بیرونِ ممالک: ۲۵ امریکی ڈالر
(چیک یا ڈرافٹ پر نام کی جگہ صرف MohammadSayeed لکھیں۔ پتہ نہ لکھیں۔ چیک کے ذریعہ زرِ سالانہ ۱۲۵ روپے ارسال کریں۔ بیرونِ ملک کے لئے ۳۰ امریکی ڈالر)

IndianOverseasBank-A/CNo.172201000001688
IFSC Code-IOBA0001722-Branch-HaripurRoad,Cuttack

پبلیشر و پرنٹر شیخ قریش نے چتا پریس قاضی بازار سے چھپوا کر دفتر ادبی محاذ دیوان بازار کٹک۔ 753001 سے شایع کیا۔

یادوں کی دہلیز سے
سید شکیل دسنوی (مرحوم)

غزل

کتنی ہے جان لیوا کیا اس میں دلکشی ہے
یارو عجیب شے کچھ ظالم یہ زندگی ہے

خورشیدِ ناامیدی پیغام ہے فنا کا
ہر آرزو کا پیکر جیسے کہ شبنمی ہے

وہ کس طرف چلا ہے یوں پیرہن سنبھالے
یہ کس کی آخرِ شب تقدیر جاگتی ہے

دم بھر کو آ کے بیٹھے زلفوں کی چھاؤں میں گر
کیوں گردشِ زمانہ ہر سمت ڈھونڈتی ہے

لے دے کے رہ گیا ہے اک درد کا خزینہ
کیا مجھ سے اور میری تقدیر چاہتی ہے

بہ شکریہ
سیدہ ہما اویس۔ بھوپال

ہمارے خصوصی معاونین

اپنی پنشن کی رقم سے ''اخبارِ اڑیسہ'' کا لگایا ہوا پودا اب اللہ کے فضل و کرم سے برگ و بار لا کر سہ ماہی ''ادبی محاذ'' کی صورت میں ارتقائی سفر طے کرنے لگا ہے۔میری تنہا ذاتی کوششوں سے شروع کیا ہوا یہ سفر اب 'لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا' کے مصداق ایک ادارے کی شکل اختیار کر گیا ہے جس میں مقامی احباب کے دامے درمے سخنے تعاون کے ساتھ ہی کل ہند اور عالمی سطح پر بھی محبان اردو نے اپنی طرف سے ایک ہزار سے پانچ ہزار تک کے عطیات دیے ہیں اور یہ سلسلہ تا حال جاری ہے۔ان میں سے بعض نے وقفے وقفے سے رقم بھیجتے رہنے کا وعدہ بھی کیا ہے۔تمام محبان اردو سے گزارش ہے کہ ''ادبی محاذ'' کی خریداری قبول فرمائیں اور اس کی بقا کا ضامن بنیں۔

خصوصی معاونین کے اسمائے گرامی

نام	مقام
الحاج محمد ایوب خاں	بھوبنیشور
الحاج سیّد عطا محی الدین	بھدرک
الحاج سیّد ڈاکٹر مشتاق علی	کٹک
الحاج مولوی سیّد نذیر الدین صدیقی (ایڈوکیٹ)	کٹک
جناب محمد شاہنواز	بھوبنیشور
جناب عبدالمجید فیضی	سمبل پور
جناب ایم اے احد	بھوبنیشور
جناب محمد اسلم غازی	ممبئ
ڈاکٹر محمد قمرالدین خاں	کٹک
جناب ایس این شیخ	ممبئ
مولوی محمد مطیع اللہ نازش	کٹک
جناب شیخ منور احمد حبیبی	دھام نگر (اڑیسہ)
جناب محبّ الرحمٰن وفا	یوڈا، مہاراشٹر
جناب وکیل نجیب	ناگپور
جناب سیّد محمود رضی الدین	راجستھان
جناب اقبال سلیم۔	بنگلور
جناب ایم حمید الدین ناز	بیدر

نام	مقام
مس انجم ممتاز سلطانہ	بیدر
جناب رفیق شاہین	علی گڑھ
جناب سمیع الحق شاکر	کٹک
ڈاکٹر سید مجیب الرحمٰن بزمی	رانچی
ڈاکٹر جمال الدین احمد	بھوبنیشور
ڈاکٹر کرشن بھاوک	پٹیالہ
سید فرید منظر حسن	کٹک
ڈاکٹر وصی مکرانی واجدی	نیپال
ڈاکٹر قمرالزماں	دھنباد
مولانا پھول محمد نعمت رضوی	مظفر پور (بہار)
جناب ارشد قمر	ڈالٹن گنج
ڈاکٹر ملکہ خورشید	لکھنؤ
حاجی اختر حسین	بیل پہاڑ۔جھاڑسوگڈا
جناب جمال قدوسی	سدھارتھ نگر (یوپی)
جناب شمس الحق شمس (ایڈوکیٹ)	دیوپور (کٹک)
ابوالکمال ظفر احمد (ایڈوکیٹ)	بالیسر
جناب ارشد جمیل	کٹک
جناب شیخ بشیر احمد	کشمیر

نام	مقام
جناب نظام مجھولیاوی	مظفر پور (بہار)
جناب رمیش پرساد کنول	پٹنہ
جناب اسحاق عابد	چنئ
ڈاکٹر مختار شمیم	بھوپال
ابرار نغمی	رائسین (ایم پی)
بانو مہر سلطانہ بنت حمید الدین	بیدر (کرناٹک)
جناب جاوید ندیم	ممبئ
جناب فیروز احمد سیفی	نیویارک (امریکہ)
پروفیسر سید محمد استخار الدین	بجنور (یوپی)
الحاج سید عطا محی الدین	بھوبنیشور
جناب سید اولادِ رسول قدسی	امریکہ
جناب سید خادمِ رسول عینی	بھساول
سبطین پروانہ	کٹیہار (بہار)
پالوجی ڈاکٹر جاوید حسین	ممبئ

قلمکاروں سے گزارش

اپنی تخلیقات ان پیج میں ٹائپ کرکے ای۔میل سے ارسال کریں تو ترجیحی بنیاد پر شائع ہوں گی (ادارہ)

ادبی محاذ کے گوشے

اس شمارے میں معروف نعت گو شاعر جناب سید مجیب الحسن نوابی عزیزی صاحب کی ادبی خدمات کے اعتراف میں ایک گوشہ پیشِ خدمت ہے۔قارئین سے گزارش ہے کہ اس کے مطالعہ کے بعد اپنی گرانقدر آراء سے نوازیں۔

آپ کے گوشے کے لیے بھی ادبی محاذ کے صفحات حاضر ہیں۔تفصیلات کی جانکاری کے لیے اس نمبر پر رابطہ کریں۔

موبائل۔09437067585

اس شمارے میں

اولادِ رسول قدسی مصباحی (امریکہ)
سرپرست ادبی محاذ

نعتِ پاک

راہِ حق پر جو شخص چل نہ سکا — اپنی منزل پہ وہ سنبھل نہ سکا
لوحِ محفوظ کی اٹل تحریر — جز نبی کے کوئی بدل نہ سکا
ان کے غم نے دیا ہے مجھ کو قرار — عیش و عشرت سے میں بہل نہ سکا
ان کی رحمت ہے ساتھ ساتھ مرے — میں کبھی دین سے پھسل نہ سکا
ظلم نے مجھ کو ڈالا آتش میں — ان کا فیضان تھا میں جل نہ سکا
پی لیا جس نے ان کے عشق کا جام — قید سے ان کی وہ نکل نہ سکا
دستِ رحمت تھا ان کا سر پہ مرے — مکر باطل کا مجھ پہ چل نہ سکا
ہے یہ اس کے ہی ظرف کی تنگی — ان کے ٹکڑوں پہ جو بھی پل نہ سکا
یوں مگن تھا میں ان کی یادوں میں — شور و غوغا سے میں دہل نہ سکا
ہوگا کم ظرف پاک کے در کی دھول — قدسی آنکھوں سے گر تو مل نہ سکا

نعتِ پاک

شہنشاہِ عالم ہیں رحمت سراپا — خدا کی عطا سے وہ نعمت سراپا
ملے رب سے سرکار معراج کی رات — بنے عرشِ اعظم کی زینت سراپا
عجب شان سے جلوہ گر ہوں گے مہدی — لیے مصطفیٰ کی شباہت سراپا
قتادہ کی آنکھیں ہوئیں پل میں روشن — لعابِ نبی میں ہے برکت سراپا
فصیحِ عرب کہہ اٹھے ہو کے نادم — کلامِ نبی ہے فصاحت سراپا
حکومت دو عالم کی پتھر شکم پر — حیاتِ شہہِ دیں قناعت سراپا
مظالم کے شعلوں میں شبنم فشانی — مزاجِ نبوت متانت سراپا
تصور جب آتا ہے طیبہ کا دل میں — ٹپکتی ہے رخ سے بشاشت سراپا
شریعت پر ترجیح دی جس نے جاں کو — وہ جاں باز ہے اور عزیمت سراپا
صحابہ کے جوشِ محبت کے آگے — ہویے سارے کافر ہزیمت سراپا
ہمیں کردو حسنِ عمل کا مجسم — پڑی ہے گناہوں کی عادت سراپا
ترے شعر سے ہند میں رہ کے قدسی — مدینے کی ہوتی ہے نزہت سراپا

غزل

چرخِ فن پہ تارے لکھ — قلب کے شرارے لکھ
ہو جواب سے خالی — وہ سوال پیارے لکھ
اس کی میٹھی باتوں کو — دل پہ چلتے آرے لکھ
شب کی ظلمتوں میں چل — دن میں استخارے لکھ
شیشۂ محاسن میں — اس کو ماہ پارے لکھ
کل کا تجزیہ تو کر — آج گوشوارے لکھ
منزلوں پہ پہنچے سب — ہم سفر ہیں پیارے لکھ
آج کل سیاست میں — ہیں گنوار سارے لکھ
گولیوں کی آندھی میں — لٹ گئے کنوارے لکھ
خلق کے لیڑوں کو — فلم کے ستارے لکھ
رات کے بیاباں میں — روشنی کے دھارے لکھ
دور رہ صراحت سے — قدسی استعارے لکھ

غزل

جسمِ خودی میں ہوگی ضیا سر سے پاؤں تک — ذوقِ نمو سے خود کو سجا سر سے پاؤں تک
گر کانپتی ہے زیست غمِ روزگار سے — سانسوں کی اوڑھ میلی ردا سر سے پاؤں تک
شفاف راستہ تھا ہوا بھی تھی پرسکوں — پھر کیوں غبارِ راہ اٹا سر سے پاؤں تک
لفظوں کے زرق برق لباسوں کے باوجود — معنی کا تن بدن ہے کھلا سر سے پاؤں تک
سنتے تھے موم سے بھی ہے وہ نرم بے پناہ — دیکھا تو سنگِ سخت ملا سر سے پاؤں تک
شیشہ مرے نصیب کا ٹکرا کے چرخ سے — پل بھر میں ریزہ ریزہ ہوا سر سے پاؤں تک
آہ و فغاں کے لب پہ یہ آتش فشاں سوال — کیوں صرف آرا ہم پہ چلا سر سے پاؤں تک
خود وار کرکے پوچھتی ہیں مجھ سے گردشیں — یہ حال تیرا کس نے کیا سر سے پاؤں تک
نظروں کو پھیر قلزمِ ظلمت کی سمت سے — ریتوں میں چاندنی کی نہا سر سے پاؤں تک
چٹان بن تو اپنے عزائم کا بے مثال — ناکامیوں میں خود کو چھپا سر سے پاؤں تک
برپا تھا کیسا ظلم خلاؤں میں قدسی آج — لت پت ہوئی لہو سے ہوا سر سے پاؤں تک

سید خادمِ رسول عینیؔ (بھساول۔جلگاؤں)
سرپرست ادبی محاذ

نعتِ پاک

اندھیروں سے اجالوں کی طرف وہ ہم کو لاتے ہیں
یہی ہے وجہ ہم میلاد کی محفل سجاتے ہیں
محمد کے اشاروں پر درختوں کا مچلنا دیکھ
ادب سے کس قدر نزدِ پیمبر چل کے آتے ہیں
پیمبر کا وہ بچپن بھی مقدس اور عجوبہ تھا
کہ دے کر لوریاں جبریل آقا کو سلاتے ہیں
اگر سچی محبت ان سے ہے، بن صاحبِ کردار
ترے کردار اچھے ہوں تو آقا کو وہ بھاتے ہیں
نوازا ہے کمالِ بے بدل سے ان کو خالق نے
پیمبر غیب کی باتیں زمانے کو سناتے ہیں
نکالو زندگی سے بدعتوں کو چاہئے گر خیر
جو دل ہے صاف اس میں مصطفےٰ تشریف لاتے ہیں
انھی کے اسمِ اقدس سے وجودِ زیست ہے عینیؔ
محمد کا ہے صدقہ ہم جو کھاتے اور کھلاتے ہیں

غزل

نہ ہو جو چاہنے والا تو ساغر ٹوٹ جاتا ہے
مزیّن ہو نہ الفت سے تو زیور ٹوٹ جاتا ہے
تکبر کیا کریں گے یہ جوانانِ زمانہ اب
تمہارے حسن کے آگے تو خنجر ٹوٹ جاتا ہے
تمہاری یاد کی تابش جو ساحل کے قریب آئی
ہمارے کرب کا بہتا سمندر ٹوٹ جاتا ہے
ضرورت حسنِ منظر کو ہے آنکھوں کی زمانے میں
نہ ہو جو دیکھنے والا تو منظر ٹوٹ جاتا ہے
کسی کو تو میسر ہی نہیں بستر زمانے میں
کسی کے شوقِ عیاشی سے بستر ٹوٹ جاتا ہے
اگر قائل نہیں ہے کوئی اعمالِ مقدس کی
بڑا ہو کس قدر بھی عینیؔ دفتر ٹوٹ جاتا ہے

نعتِ پاک

دیگر رسل سے دہر میں تھی عارضی بہار
میرے رسول لایے مگر دائمی بہار
قربان جاؤں فضل کے اس امتیاز پر
جانِ جناں ہے دشتِ مدینہ تری بہار
روضے کے آس پاس کا منظر حسین ہے
اور نت نئے فرشتوں سے عمدہ رہی بہار
دورِ رسولِ کون و مکاں میں تھی جس طرح
اے کاش پھر سے آیے جہاں میں وہی بہار
خوشیوں کے سارے پھول بغل گیر ہو گئے
یادِ نبی کی ٹہنی سے ایسی چلی بہار
نقشِ قدم پہ ان کے اگر تو نہیں چلا
آیے گی تیری زیست میں کیسے کبھی بہار
لکھنے لگا ہوں نعت غزل کی زمین پر
آئی ہے لے کے ساتھ میں اب شاعری بہار

تم کو دکھے گا رب کا وہ شہکار جابجا
طیبہ کے لالہ زار میں ہے دیدنی بہار

غزل

روشن رہیں گے آپ کے اشعار جابجا
رکھیے بلند فکر کے مینار جابجا
ان تک مری وفا کی رسائی ہو کس طرح
حائل ہے میری راہ میں دیوار جابجا
اپنے مشن کو کرنا ہے گر کارگر تمہیں
ٹھہراؤ مُخلصین رضاکار جابجا
پوچھے تو کوئی میر تقی میؔر سے ذرا
کیوں یاسیت سے پُر رہیں اشعار جابجا
ملتی ہے اس سے زیست کو اک تازگی عجب
کرتا ہوں میں خلوص کا اظہار جابجا
اشعار کے شجر میں گلِ خوشنما کی مثل
ملتا رہا وہ راہ میں سوبار جابجا

عینیؔ تمہارے دل میں اگر سچا عشق ہے
تم کو دکھے گا رب کا وہ شہکار جابجا

قاضی مشتاق احمد
پونے

سخت مقامات کو بلند حوصلوں سے سر کرنا ممکن ہے
راجہ اور رنک سب کے لیے ایک نسخہ

واقعہ مشہور ہے کہ شہاب الدین غوری نے ۱۱۷۵ء میں ملتان فتح کرلیا تھا۔اس کے بعد اس کی دہلی اور اجمیر کے حاکم پرتھوی راج سے ترائن پر جنگ ہوئی اور اس لڑائی میں سلطان کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔کہا جاتا ہے کہ شہاب الدین کو اس شکست کا اتنا رنج ہوا کہ اس نے عیش و آرام کی زندگی ترک کردی۔اس نے دل میں ٹھان لی کہ اپنا وہ لباس اس وقت تک نہیں بدلے گا جب تک اپنے دشمن کو تہس نہس نہیں کردیتا۔ ۱۱۹۲ء میں اس نے دوبارہ حملہ کیا اور ترائن کی دوسری لڑائی میں دشمن کو تہس نہس کرکے ہی دم لیا۔اس نے اس کے بعد اپنے سرداروں کو اکٹھا کرکے ان کے سامنے اپنا لمبا چغہ اتار دیا۔اس کے جسم پر خون سے آلودہ وہی لباس تھا جو اس نے ترائن کی پہلی جنگ میں پہن رکھا تھا۔اس نے سرداروں کو بتایا کہ میں نے یہ طے کرلیا تھا کہ اب فتح کے بعد ہی یہ کپڑے میرے جسم سے اتریں گے۔اگر میں اس میدان میں مرگیا تو یہ میرا کفن بنیں گے۔اس طرح اس نے فتح کے بعد ہی اس خون آلودہ لباس کو تبدیل کیا۔سلطان جب ایک فاتح کی حیثیت سے غزنی لوٹ رہا تھا تو رات کے وقت دریائے جہلم کے قریب خیمہ زن ہوا۔اسی رات کھوکھر قوم کے کچھ لوگ اس کے خیمے میں داخل ہوئے اور اسے قتل کردیا۔اس کا مقبرہ جہلم میں واقع ہے۔

اس تاریخی واقع کو تفصیل سے بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ صرف جنگ و جدل میں ہی نہیں بلکہ عام زندگی میں بھی فتح ان لوگوں کے حصے میں آتی ہے جو کامیابی حاصل کرنے کی غرض سے جدو جہد کرتے ہیں اور اپنے ہدف سے نہیں ہٹتے۔عزم محکم ہو تو کامیابی یقینی ہے۔اس دور کا سب سے بڑا مسئلہ ہے سماجی پسماندگی اور معاشی تنگ دستی۔آج کا عام انسان جن حالات میں زندگی بسر کررہا ہے اسے اطمینان بخش نہیں کہا جاسکتا۔کم فہم افراد اپنے مالی مسائل کو بنیاد بنا کر اپنے بچوں کی تعلیم سے بے اعتنائی برتتے ہیں۔یہ بچے جو بھی تھوڑی بہت تعلیم پاتے ہیں آگے چل کر انھیں مشکلات کا سامنا ہوتا ہے۔ضروری نہیں کہ ان بچوں کا داخلہ اوسط درجہ کے اسکولوں کی بجائے مہنگے اسکولوں میں کرایا جایے۔کم آمدنی والے والدین اپنے بچوں کو اوسط درجہ کے اسکولوں میں داخل کرواکے اس قابل بناسکتے ہیں کہ وہ زندگی میں اپنے پاؤں پر کھڑے ہوسکیں۔اس کی ایک مثال مہاراشٹر کے ضلع تھانے میں واقع ممبرا کی زرّیں خاتون کی ہے۔اس نے سی۔اے (C.A) کے مشکل ترین امتحان میں ملک گیر سطح پر اول مقام حاصل کرکے یہ پیغام دیا ہے کہ اگر ملکی سطح پر نام وری حاصل کرنا ہے تو عزمِ محکم اور عملِ پیہم کی راہ اختیار کریں اور اور راستے میں آنے والی رکاوٹوں کو اپنے بلند حوصلوں سے پار کرنے کی کوشش کریں۔زرّیں خاتون ایک غریب باپ کی بیٹی ہے اور جو ایسے علاقے میں رہتی ہے جو زندگی کی بنیادی سہولتوں سے محروم ہے۔اس کے والدین نے اپنے محدود وسائل سے بیٹی کی حوصلہ افزائی کی اور اسے اس مقام تک پہنچایا۔یہ واقعہ ان افراد کے لیے قابلِ تقلید ہے جو اپنے مالی مسائل کو بنیاد بنا کر اپنے بچوں کو تعلیم سے محروم رکھتے ہیں۔یہ لوگ اپنی غریبی کا رونا روتے ہیں اور اپنے بچوں کو درس گاہوں سے دور رکھتے ہیں۔

☆☆☆

عبدالمتین جامی

عالمی وبا کورونا کے اثرات تعلیمی نظام پر

کورونا کے سبب گزشتہ ۲۶ مارچ ۲۰۲۰ء سے لاک ڈاؤن کا جو سلسلہ چلا تھا اس کی بنا پر زندگی کے تمام شعبے معطل ہو کر رہ گئے تھے۔ ساری دنیا کے عوام کو اپنے اپنے گھروں میں مقید ہو کر رہنا پڑا۔ کاروبارِ دنیا بھی رک گئی۔ گاڑیاں بند، ریل بند، ہوائی جہاز بند اور کارخانے بند۔ اپنا وطن چھوڑ کر روٹی روزی کی تلاش میں نکلے ہوئے مزدور اس عالمی وبا کے دوران اپنے اپنے گھروں کو لوٹنے لگے۔ بھوک پیاس کو برداشت کرتے ہوئے کوئی ٹرک میں تو کوئی سائکل پر اور کوئی ٹرالی رکشا میں یا پھر مجبوراً پیدل ہی۔ راستے میں حادثوں کے شکار ہو کر کئی لوگ لقمۂ اجل ہو گئے۔ ان تمام مصائب کو جھیلنے کے بعد گھر پہنچے تو ان کے ساتھ کرونا بھی پہنچ گیا۔ ہماری ریاست میں بھی کرونا کے دیونے ہزاروں کو دبوچ لیا۔ ان تمام نامساعد حالات میں سب سے زیادہ نقصان تعلیمی اداروں کو پہنچا۔ سبھی تعلیمی ادارے بند کر دیے گئے۔ مستقبل کا معمار کہلانے والے طلبہ بھی گھروں میں قید ہو گئے۔ کوئی سات مہینوں کے تعطل کے بعد شکر ہے کہ اب اسکول، کالج اور مدرسے دوبارہ کھولے جا رہے ہیں۔

لاک ڈاؤن کے دوران آن لائین تعلیم کا اہتمام بھی کیا گیا، لیکن سبھی طلبہ اس سے مستفید نہیں ہو سکے کیونکہ سبھوں تک انٹرنیٹ کی رسائی ممکن نہ تھی۔ ہماری ہی ریاست کے اندر پہاڑوں اور گھنے جنگلوں میں رہنے والے آدیواسی طلبہ اس اہتمام کا فائدہ نہیں اٹھا سکتے تھے کیونکہ ان علاقوں میں نہ تو نیٹ ورک ہے اور نہ دوسری کوئی سہولت۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ بچے اپنی اپنی جماعتوں میں استاد کے روبرو بیٹھ کر اجتماعی طور پر جو علم حاصل کرتے ہیں انٹرنیت کے ذریعہ ایسا ممکن نہیں۔ لہٰذا اس دوران تعلیمی سرگرمیاں بالکل ٹھپ رہیں۔

دوسری جانب دینی مدارس جو گاؤں گاؤں تک پھیلے ہویے ہیں وہ بھی بند رہے۔ اساتذہ جو پانچ چھ ہزار کی قلیل تنخواہ لے کر بچوں کو حافظ و عالم بنا رہے تھے انھیں تنخواہ نہ ملنے کی صورت میں بے انتہا تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑا۔ بعض علماء و حفّاظ گذر بسر کے لیے مزدوری کرنے پر بھی مجبور ہو گئے۔ محنت مزدوری کر کے بیوی بچوں کی پرورش کر رہے ہیں۔ مگر مدارس کے ذمہ دار عیش کر رہے ہیں۔ انہیں مدرسوں کے اساتذہ کی کوئی فکر نہیں۔

بہر حال ایک اور اہم مسئلہ جو ہماری ریاست کے اردو طلبہ کو درپیش ہے وہ ہے اردو کی درسی کتابوں کا فقدان۔ اردو طلبہ کو نصاب کی کتابیں دستیاب نہیں کیونکہ ان کی اشاعت کا ہمارے یہاں کوانتظام نہیں ہے۔ بغیر کتابوں کے ہی گھر میں بچے پڑھیں بھی تو کیا پڑھیں؟ اسکولوں کا حال عموماً ایسا ہے کہ نااہل لوگوں کو سیاسی دباؤ ڈال کر استاد بنایا جا رہا ہے جنہیں خود نہ تو اردو کا علم ہے اور نہ ہی پڑھنا پڑھانا آتا ہے۔ اڈیشا میں اردو کا ایک بڑا مرکز شہر کٹک ہے جہاں ایک اردو سی ٹی اسکول ہے۔ اس اسکول میں غیر اردو داں اساتذہ کی تقرری کی جاتی ہے۔ برائے نام اور دو کے صرف دو ہی استاد ہیں۔ چونکہ یہ اردو اسکول ہے اس لیے سبھی موضوعات پر کتابیں اردو میں ہونا ضروری ہے لیکن اردو کتابوں کی عدم دستیابی کے باعث طلبہ کو اڑیا زبان میں تعلیم دی جاتی ہے۔ اب تو یہ بھی سننے میں آ رہا ہے کہ کٹک میں موجود ''اردو ٹیچرس ٹریننگ اسکول'' کے نام کے آگے سے لفظ اردو کو ہٹا دیا جائے گا۔ اب ہم اردو کے دیوانوں کو ہی ساتھ مل کر کوئی نیا لائحۂ عمل بنا کر کھڑا ہونا پڑے گا، اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں۔ ☆☆☆

حمد و نعت

عبدالمجید فیضی سمبلپوری
12/106,Nayapara,Samblpur,Odisha,

فرازِ عرش نشاں لا الہٰ الا اللہ
ظہورِ کون ومکاں لا الہ الا اللہ
ہماری روحِ رواں لا الہ الا اللہ
ہمارا نغمہء جاں لا الہ الا اللہ
شعاعِ مہرِ ازل اور ضیائے ماہِ ابد
مدام نور فشاں لا الہ الااللہ
نظامِ ارض وسمانورِحق سے ہے روشن
ضیائے کاہکشاں لا الہ الا اللہ
فروغِ نیّر ایماں ہے خانہءدل میں
متاعِ راحتِ جاں لا الہ الا اللہ
ہمارا گریۂ جاں سوز بھی یہی نغمہ
ہمار ی آہ وفغاں لا الہ الا اللہ
ہے ساری دنیا مخالف، ہرایک قوم عدو
ہمیں پناہ کہاں لا الہ الا اللہ
الٰہی !فیضیؔ بیمار کی دعا سن لے
ہو دفع دردِ نہاں لا الہ الا اللہ

محمد امجد سلیم امجدؔ بی اے
H.No.2-9-110,Mukrrampura
Karimnagar.505001(T.S)

خدا کے جلوے ہیں مخصوص جلوہ گر کے لئے
نظر نظر کا ہے ارماں ہر نظر کے لئے
نبیؐ کا اسوہ ہے جنت کی رہ گزر کے لئے
مجھے رسولؐ سے نسبت ہے عمر بھر کے لئے
نگاہیں سب کی نبیؐ کے لئے ترستی ہیں
بروزِ حشر شفاعت کی اک نظر کے لئے
فرشتے آپ کی عظمت پہ ناز کرتے ہیں
شہہِ امم کی محبت ہے بحروبر کے لئے
نگاہیں میری ہمیشہ ہیں منتظر امجدؔ
حرم کی شام مدینے کی اک سحر کے لئے

انور سلیم
MIGH-58/B,SantoshNagar
Hyderabad-500059(T.S)

جہاں جہاں بھی جدھر جدھر بھی نظر اٹھے ہے جمال تیرا
کہ خالقِ کل ہے تو نہاں ہے ہراک شے میں کمال تیرا
جھلتے صحرا میں گامزن ہوں مگر تپش کا نہ شائبہ ہے
کہ ماںتا کی چھاؤں جیسا ہے ساتھ میرے خیال تیرا
دیا کے ساگر میں غرق ہونا ہی عاقبت کی سلامتی ہے
زباں سے کچھ بھی نہیں ہے کہنا کہ جانتا ہے وہ حال تیرا
نہ کر سکا ہے نہ کر سکے گا کوئی بھی تحریف مؤ برابر
جہاں میں ایسا نہیں ہے کوئی' کلام ہے لا زوال تیرا
ہمیں جو تکلیف دے رہے ہیں سمجھ رہے ہیں جوخود کو برتر
انہیں ذرا سی جھلک دکھا دے کہ چیز کیا ہے جلال تیرا
ہے تیرے ہاتھوں میں لاج اس کی بگڑ گیا ہے سنوار دے تو
سلیمؔ کب ٹوٹ پھوٹ جائے کہ ہے یہ جامِ سفال تیرا

سید اسلم صدا آمری
H.No.32B,MaroofSahebStreet
MountRoad.Chennai-600002

زباں میلی نہیں ہوتی، کفن میلا نہیں ہوتا
ثنا خوانِ محمد کا دہن میلا نہیں ہوتا
جو اپنا لے کوئی انساں نبی کا اسوۂ حسنہ
خدا کے فضل سے اس کا چلن میلا نہیں ہوتا
عیاں ہے روزِ روشن کی طرح یہ بات دنیا میں
نبی کا عشق ہو جس میں وہ من میلا نہیں ہوتا
اجالے چارسو پھیلے ہیں گیسوئے منور کے
بہ زلفِ مصطفٰے چرخِ کہن میلا نہیں ہوتا
خدا کو عرش پر نعلینِ احمد بھی گوارا ہیں
کہ نعلینِ مبارک سے گگن میلا نہیں ہوتا
قسم اللہ کی مٹی اسے ہر دم نہیں کھاتی
فدائے عشقِ سلطانِ زمن میلا نہیں ہوتا
تقدس پر صداؔ اسکے فرشتے رشک کرتے ہیں
شہیدِ عشقِ احمد کا کفن میلا نہیں ہوتا

ارشد میناگری
H.No-51,Mominpura
Malegaon-423203(Nasik)

ذکرِ رسولِ اکرم رکھے حبیبِ اردو
کیا خوش نصیب اردو کیا خوش نصیب اردو
سرکارِ دوجہاں کا ہر رمز کھولتی ہے
نعتوں میں بہر پہلو بن کے نقیب اردو
رتبہ حبیبِ حق کا ملحوظ رکھتے رکھتے
ہر لحظہ بن گئی ہے کامل ادیب اردو
لکھ لکھ کے نعتِ احمدؐ پڑھ پڑھ کے نعتِ احمد
مقبول ہوگئی ہے حق کی خطیب اردو
قولِ نبی کو برتے' قولِ نبی پہ اترے
قولِ نبی کو سمجھے ایسی لبیب اردو
حق گوئی حق پرستی احساسِ حق نمائی
ارشدؔ مخالفت کی ہر سو مجیب اردو

ڈاکٹر علی عباس امیدؔ
Doctor'sColony.IdgahHills.Bhopal-1

کہاں وہ علم کہ میں لکھ سکوں مدحت محمد کی
مری فکرِ رسا کے پار ہے عظمت محمد کی
شبِ معراج سے پوچھو کہ ان کا مرتبہ کیا ہے
گوارا کب خدا کو بھی ہوئی فرقت محمد کی
خدا کے بعد وہ ہیں اور ان کے بعد سب کچھ ہے
غلط کیا ہے اگر چاہے کوئی رحمت محمد کی
کہیں قرآں کی بے ادبی، کہیں تصویر کی بدعت
یقیناً آج بھی طاری ہے وہ ہیبت محمد کی
محبت ،امن، ایثاروسخاوت اور بے نفسی
بھلا اس کے سوا ہے اور کیا دعوت محمد کی
مرا ایماں ہے یہ امیداور یہ کلِّ ایماں ہے
خدا اعلیٰ ہے اور اعلیٰ ہے شخصیت محمد کی

عبدالمجید فیضی سمبلپوری
12/106,Nayapara,Samblpur,Odisha,

ہزل

مرد کو کورونا بخار آیا — بیوی کو رونا زار زار آیا
پوری بیوی کی کرتا فرمائش — سود میں لیکے میں ادھار آیا
نیند آتی بھی رات بھر کیوں کر — دل میں کیا کیا مرے وچار آیا
تھا تماشہ تماش بینوں کا — جب گدھے کو گدھی پہ پیار آیا
در و دیوار پر کھلیں کلیاں — شکر ہے موسمِ بہار آیا
جب مصیبت پڑی مرے سر پر — پاس کوئی نہ یارِ غار آیا
نوٹ نیتا نے جب لٹائے خوب — ووٹ پر ووٹ بے شمار آیا
یار آیا جو بعد مدت کے — میرے دل کو بڑا قرار آیا
میں نے کی ایسی کیا خطا فیضی — دل میں یاروں کے کیوں غبار آیا ے

ظفر صدیقی
PhulwariSharif.Patna
Mob-9334298652

نسرین نکہت کی نذر

1

قلم کا مقدر ہے نسرین نکہت
ذہانت کا پیکر ہے نسرین نکہت
پڑھا مجموعۂ "جذبۂ دل" تو یہ جانا
بلا کی سخنور ہے نسرین نکہت

2

فنِ فکر کی چھت ہے نسرین نکہت
غزل کی علامت ہے نسرین نکہت
ہماری دعا ہے خدا زندہ رکھے
ادب کی ضرورت ہے نسرین نکہت

3

تری شان عالی ہے نسرین نکہت
تو اک بے مثالی ہے نسرین نکہت
تو مر بھی گئی تو جہانِ غزل میں
امر رہنے والی ہے نسرین نکہت

ڈاکٹر سید مجیب الرحمٰن بزمی
HomeoShifaKhana
RahmatColony.Doranda
Ranchi-834002

کورونا

کرونا سے ہر طور خود کو بچائیں
ابھی لاک ڈاؤن ہے باہر نہ جائیں
ملاقات ہو جایے گر آشنا سے
کبھی ہاتھ بڑھ کر نہ اس سے ملائیں
کسی کے بھی گھر کو نہ جائیں تو بہتر
نہ اپنے ہی گھر میں کسی کو بلائیں
پنپنے نہ دیں آگ نفرت کی دل میں
محبت کی شمعیں دلوں میں جلائیں
رکھیں فاصلہ درمیاں دو دو گز کا
کبھی آپ سے لوگ ملنے جو آئیں
ہے بچنا اگر اس وبا سے اے بزمی
کریں اپنے رب سے ہمیشہ دعائیں

عبدالسلام کوثر
ShastrChowk.Tusipur
Rajnandgaon(C.G)

چند قطعات

1

بات جب نکلی تو ہر بات پر کرنے لگے
میرے اشکوں پر مرے نغمات پر کرنے لگے
دن برے جب آئے تو ناواقف حالات بھی
تبصرہ کوثر میرے حالات پر کرنے لگے

2

میں نے کب تم سے کہا تھا مشک وعنبر بھیجنا
روح جس سے مطمئن ہو وہ گلِ تر بھیجنا
اوڑھ کر جس کو میں سو جاؤں بڑے آرام سے
ہاں لڑکپن کی انہیں یادوں کی چادر بھیجنا

3

مسکراتی آرزوؤں کا جہاں سمجھا تھا میں
زندگی کا خوبصورت کارواں سمجھا تھا میں
دوستی میں بن گئی وہ صرف کانٹوں کی چبھن
جس کو اب تک گلستاں ہی گلستاں سمجھا تھا میں

4

مزاج سخت تھا پھر بھی دلوں میں شفقت تھی
بزرگ اپنے بڑی آن بان والے تھے
سبھی کو یاد ہیں مہماں نوازیاں ان کی
یہ اور بات ہے کچے مکان والے تھے

رمیش تنہا
5/1,GoldenPark.Ambala
Cantt.Haryana-133001

رباعیات

1

برداشت کی اب اور سکت مجھ میں نہیں
اٹھ ہی گیا برد باری سے میرا یقیں
ہر کوئی یہاں جیتا ہے صرف اپنے لئے
نا اہل بھی کب خوشی سے چھوڑے ہے زمیں

2

غم ہائے محبت کا نہیں کوئی علاج
جینے ہی کہاں چین سے دیتا ہے سماج
ہم کرتے ہیں کچھ چاہتے اوروں سے ہیں کچھ
چھوڑیں ہیں سرشت اپنی نہ بدلیں ہیں مزاج

3

کچھ پانے کو گر گر کے سنبھلنا ہوگا
رخ روز ہواؤں کا بدلنا ہوگا
سانچے میں کسی شوق کے ڈھلنے کے لئے
اس شوق کی ہر آگ میں جلنا ہوگا

4

اب کرنے کو کچھ اور بچا ہی کیا ہے
سب کچھ لیا زیست سے دیا ہی کیا ہے
اب سوچتے ہیں عمر گنوادی بے کار
کیا کیا نہ تھا کرنے کو، کیا ہی کیا ہے

حمید عکسی
H.No:14-6-39,Nizxampura
MandiBazar.Warangal-506002(T.S)

نذرِ تسنیم جوہر

یہ بھی سچ ہے زینتِ بزمِ سخن تسنیم ہیں
اور اپنی ذات میں اک انجمن تسنیم ہیں
سب کو گرویدہ بنا لیتے ہیں اپنی بات سے
دوستوں کے درمیاں شیریں دہن تسنیم ہیں
دھوپ کے صحرا کو آخر پار کرکے آگئے
راحتوں کی چھاؤں میں اب خیمہ زن تسنیم ہیں
جس کی خوشبو سے مہکتی ہیں فضائیں چارسو
خوبصورت پھولوں کا بھی اک چمن تسنیم ہیں
آپ کے آنے سے بڑھ جاتی ہے رونق اور بھی
محفلِ شعروسخن کے جان وتن تسنیم ہیں
داد سب دیتے ہیں عکسی ان کی غزلوں پر بہت
شعر گوئی میں ہمیشہ سے مگن تسنیم ہیں

ساغر ملارنوی
At/P.O:MalarnaDongar
Dist:SawaiMadhopur.Rajasthan

اے نئے سال

اے نئے سال ترا جشن مناؤں کیسے
بد نما داغ جو رخ پر ہیں چھپاؤں کیسے

خون ارزاں سرِ بازار ترے وقت میں دیکھ
اور پانی ہے گراں بار ترے وقت میں دیکھ
حادثے دل پہ وہ گزرے ہیں سناؤں کیسے
اے نئے سال ترا جشن مناؤں کیسے

ہر طرف آگ یہ نفرت کی لگائی کس نے
اور تفریق کی دیوار اٹھائی کس نے
مادرِ ہند کے یہ داغ ہٹاؤں کیسے
اے نئے سال ترا جشن مناؤں کیسے

یہ تعصّب، یہ عداوت یہ کدورت کیوں ہے؟
یہ بتا نام سے میرے تجھے نفرت کیوں ہے؟
تیرا گرتا ہوا کردار دکھاؤں کیسے
اے نئے سال ترا جشن مناؤں کیسے

کاٹ لیتے ہیں زباں میری بیاں سے پہلے
لب ہی سی دیتے ہیں ساغر وہ گماں سے پہلے
یہ مرا دردِ نہاں ہائے بتاؤں کیسے
اے نئے سال ترا جشن مناؤں کیسے

☆☆☆

طرحی غزل

ڈاکٹر رحیم رامش (کاغذ نگر تلنگانہ) 9948942550 موبائل

اسے زندگی کا نہ آیا قرینہ — ''جو مرنا نہ جانے وہ کیا جانے جینا''
نہ ہیرے نہ موتی نہ چاہوں خزینہ — خدایا دکھا دے مجھے بھی مدینہ
کمر بستہ ہو جاؤ تم اے جوانو! — کرو اتنی محنت کہ آیے پسینہ
نہ لے جو جہیز اپنی شادی میں بیٹا — مرا فخر سے پھول جایے گا سینہ
ابھی کل ہی مل کر گئے تھے وہ رامش — مگر لگ رہا ہے کوئی اک مہینہ

مطیع اللہ نازش
D/203.Sector-6.C.D.A
Cuttack-753014
Mob-7978347075

شہوت کے درندے

کرب کے دریا میں تیرتی کشتی
اس میں درد سے تڑپتی ہستی
روتی بلبلاتی چلاتی
ایک کومل سی حسین لڑکی
خوف سے تھرتھر کانپتی
مدد کو پکارتی
اچانک نمودار ہوا اک فرشتہ
پوچھا، روتی ہے کیوں؟
کہا
لٹ گئی میں انسانوں کی بستی میں
مجھے لے چل تو اپنی بستی میں
یہاں عزت کے لالے پڑے ہیں
ہر سو شہوت کے ہیں درندے
ان سے عزت کو اپنی بچاؤں کیسے
کسی پر بھروسہ کروں میں کیسے
ہر صبح اخبار میں ریپ کی کہانی
پڑھ کر ہر کوئی ہو رہا ہے پانی پانی
اس کی بپتا
سن کے فرشتہ بولا
ہائے افسوس آج کا انساں
ایک شیطان بن چکا ہے
قدرت نے رکھا ہے تجھ میں کشش
تو دلبروں کی ہے دلربا
تو شاعروں کی ہے جانِ غزل
تری مسکان پر ایک زمانہ ہے فدا
تو مہکتی نازک سی کلی
گلابی رخسار، لب سرخ
آنکھیں نرگسی
زلف سیاہ، رنگ چمپئی
سڈول قد و قامت اور لچکتی کمر
بن کے سنور کے اکیلے نہ نکلا کرو
اکیلے کہیں نہ جایا کرو
یاد رکھو کہ تم ہے اک لقمۂ تر
اس لئے منڈلاتے ہیں
ہوس کے بھنورے
بچا کے رکھنا ہے تمہیں عفت اپنی
چھپا کے رکھنا ہے تمہیں
جسامت اپنی
جب سرِ عام ہو عورت اور دولت
لوٹ لیں گے یقیناً زمانے کے
یہ رہزن

ڈاکٹر آفاق فاخری
At/P.O:Jalalpur:AmbedkarNagar
Mob-9918617576

خانۂ دل

خانۂ دل میں شور کیسا ہے؟
اس کی یادوں کا سلسلہ جیسے
خوشبوؤں کا ہو قافلہ جیسے
ایک پیکر ہے
ایک سایہ ہے
ایک شعلہ ہے
اک شرارہ ہے
ایک آنسو ہے
اک ستارہ ہے
خانۂ دل میں شور کیسا ہے؟
پہلی بارش کی بوند جیسا ہے
چاندنی کا یہ سطحِ دریا پر
جیسے اک نرم نرم بوسہ ہے
میری آنکھوں میں خواب ہے کوئی
خواب، رنگِ حنا کی خواہش کا
دور تک سلسلہ ہے رنگوں کا
گویا ہے اک ہجومِ رنگ و بو
میں ہوں اور اس اداس لمحے میں
سوچتا ہوں
خانۂ دل میں شور کیسا ہے؟

حیرت فرخ آبادی
KhoslaHouse.NorthOfficePara
Doranda.Ranchi-2

ایک غزل

پاس آؤ کہ جی نہیں لگتا
مان جاؤ کہ جی نہیں لگتا

اک مسلسل سکوت چاروں طرف
کچھ سناؤ کہ جی نہیں لگتا

کچھ کہو اپنی' کچھ سنو میری
آؤ جاؤ کہ جی نہیں لگتا

کتنی بے کیف ان دنوں ہے حیات
دل دکھاؤ کہ جی نہیں لگتا

دم نہ گھٹ جائے اس خموشی میں
گنگناؤ کہ جی نہیں لگتا

زخم سب دل کے بھر گئے حیرتؔ
چوٹ کھاؤ کہ جی نہیں لگتا

ڈاکٹر قمرالزماں
Bankura(W.B)Mob:7076557266

ظریفانہ نظم

باؤلا

جو چھت پر کھڑا وہ ہوا لے رہا ہے
بلا اپنے سر، سر پھرا لے رہا ہے
تجسّس بھری جو گھماتا ہے نظریں
تو نظروں سے اپنے مزا لے رہا ہے
چنا پھانکتا اور چباتا مسلسل
جگالی بہت چلبلا لے رہا ہے
کبھی آہیں بھرتا کبھی گنگناتا
کبھی سسکیاں منچلا لے رہا ہے
جو ٹیڑھی بھی آنکھیں دکھائی کسی نے
لپک کر وہ اس کی بلا لے رہا ہے
نہ روکو، نہ ٹوکو، نہ چولہے میں جھونکو
مرض کی وہ اپنے دوا لے رہا ہے
میں سمجھاؤں کیسے زماںؔ باؤلے کو
نہیں جانتا ہے کہ کیا لے رہا ہے

گوشۂ سید مجیب الحسن نوابی عزیزی

ایک تعارف

اپنے وقت کے عظیم صوفی بزرگ حضرت سید نواب علی شاہ صاحبؒ سلسلۂ نوابیہ ابوالعلائیہ کے بانی مبانی تسلیم کیے جاتے ہیں۔آپ کے تین صاحبزادوں میں حضرت مجیب الحسن نوابی عزیزی سب سے چھوٹے ہیں۔خانقاہی ماحول میں پرورش و پرداخت کے سبب نعت گوئی ان کی پسندیدہ صنف ہے۔نعتیہ شاعری میں ان کو نہ صرف بلند مقام حاصل ہے بلکہ اس کے فروغ کے لیے بھی ہمیشہ کوشاں رہتے ہیں۔تینوں بھائیوں کے پاس نعت ومناقب اور غزلوں کا اچھا خاصا ذخیرہ جمع ہو چکا ہے۔ان میں سے منجھلے بھائی سید محمد حضرت محمد نور الحسن نوابی عزیزی کے اب تک آٹھ یا نو مجموعے شائع ہو چکے ہیں جو نعت،منقبت،غزل اور دیگر اصنافِ سخن پر مشتمل ہیں۔

حضرت مجیب الحسن نوابی عزیزی کاروباری سلسلہ میں سرِ دست ممبئی میں قیام پذیر ہیں۔اپنی مصروفیات کے باوجود مطالعہ کے ساتھ ساتھ تخلیقی سلسلہ بھی جاری ہے۔نعت کے علاوہ منقبت،غزل،رباعی اور دیگر اصناف پر انھیں دسترس حاصل ہے۔کاروباری مصروفیات کے سبب شعر کہنے کی رفتار سست ہے۔بہر حال اب تک جو شعری اثاثہ جمع ہو چکا تھا انھیں یکجا کر کے ''بامِ ایجاب'' کی صورت میں پیش کیا ہے۔اس میں ۲۵ نعوتِ پاک کے علاوہ مناقب شامل ہیں۔مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کے اشعار سادہ و سلیس ہوتے ہوئے بھی اپنے اندر گہرائی و گیرائی رکھتے ہیں۔جدید لب ولہجہ کے ساتھ تشبیہات وتلمیحات کا برملا استعمال آپ کی شاعرانہ ہنرمندی کا جواز فراہم کرتا ہے۔ان نعتوں میں حبِ رسول کی سرشارانہ کیفیت کے ساتھ ساتھ دیدارِ مدینہ کی تڑپ،نبی کے نقشِ قدم پر چل کر منزل کی حصولی،اور نبیِ پاک کے ذکر کو حرزِ جاں بنانا جیسے موضوعات کو بڑے سلیقے سے انھوں نے شعری پیکر عطا کیا ہے۔

امید واثق ہے کہ موصوف کا یہ اولین نعتیہ مجموعہ عاشقانِ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوگا۔

سعید رحمانی

سوانحی خاکہ

نام :سید مجیب الحسن

تخلص :مجیب

پیدائش :۸؍جولائی ۱۹۹۰ء

ولدیت :حضرت الحاج صوفی سید نواب علی شاہ

تعلیم :سوفٹ وئیر انجینئر،بی اے(اردو)

مشاغل :ذاتی کاروبار کے علاوہ مطالعۂ کتب،نثر نگاری،شاعری

تلمذ :حضرت سید محمد نور الحسن نورؔ نوابی عزیزی

تصانیف وتالیف :بامِ ایجاب(نعت ومناقب)،سخن در سخن(مجموعۂ مضامین)،بادِ صبا کی خوشبو (شعری مجموعہ)

ای۔میل :mujeebulhasan204@gmail.com

یم۔نصراللہ نصر
موبائل۔9339976034

نعتیہ شاعری اور مجیب الحسن عزیزی کی نعت گوئی

تقدیسی شاعری طہارت لفظی اور طہارت فکری کی طلبگار ہوتی ہے ۔عقیدے کی تطہیر اور زبان کی پاکیزگی اگر میسر ہو جائے تو ایسی تخلیقات کی پسندیدگی اور سرخروئی سے انکار ممکن نہیں ۔حمد و نعت تو بیشتر شعرا تخلیق کرتے ہیں لیکن ایمان کی کمزوری اور علم کی ناپختگی کے سبب ان کی تحاریر میں وہ بات پیدا نہیں ہوتی جس کے وہ اور قاری متمنی ہوتے ہیں ۔اس لئے شاعر کو بہت ہی محتاط ہو کر دربار تقدس میں قدم رکھنا چاہئے ۔نیز اپنی حمدیہ اور نعتیہ تخلیق کو بار بار اور بالاستیعاب پڑھنا چاہئے ۔مختلف زاویے سے اس کا جائزہ لینا چاہئے ۔ان مقامات اور منازل سے گزر کر جو تقدیسی تخلیق منظر عام پر آتی ہے بیشک با کمال اور لائق تحسین ہوتی ہے۔

نعت کی ابتدا و ارتقا کے بارے میں کہا گیا ہے کہ حضور اکرمؐ کے زمانے میں مخالفین کی جانب سے حضوؐ اور اسلام کے خلاف ہجو گوئی عام ہونے لگی تو محبان اسلام کی جانب سے یہ تقاضا ہوا کہ ہمیں بھی ان کا جواب دینا چاہئے ۔جب اس کی اجازت مل گئی تو حسان بن ثابت کے کلام تقدس کے ساتھ اس کا آغاز ہو گیا اور اس کا سلسلہ دراز ہوتے ہوئے کعب بن مالک ،عبداللہ بن رواحہ اور خلفائے راشدین سے ہوتے ہوئے ابوالاسود ، امام ابو حنیفہ ، امام شافعی ، بوصیری ، ابن عربی ، ابن خلدون ،عرفی ، جامی اور رومی تک پہنچ گیا لیکن تھما نہیں بلکہ اس میں اور شدت آتی گئی اور حلقۂ زنجیر دیل و بسیط ہوتا گیا۔جس کی ایک کڑی زیر مطالعہ کتاب ''بام ایجاب' کے خالق سید محمد مجیب الحسن نوابی عزیزؔ بھی ہیں ان کا یہ پہلا نعتیہ شعری مجموعہ بہت خوب ہے، لائق ستائش بھی ہے اور ایمان افروز بھی ۔مجیب صاحب کو نعت گوئی کا اچھا خاصا شعور ہے اور یہ ان کی بہترین کوشش بھی ہے۔

اس کتاب میں شامل شمائلہ صدف عزیزی کی تقریظ میں نعت کی کچھ اس طرح سے تعریف بیان کی گئی ہے ملاحظہ فرمائیں:

''اس کائنات کی سب سے بڑی صداقت توحید ہے، اس صداقت کا خلاصہ محبت اور سب سے قیمتی محبت، محبتِ صاحبِ لولاک ہے۔یہی محبت ،محبتِ الٰہی کا مستحق بناتی ہے ۔جب یہ محبت انتہا کو پہنچ کر جذب کی آنچ پا کر اور حروف اوڑھ کر شعری صورت میں ڈھلتی ہے تو 'نعت' کہلاتی ہے۔''

یوں تو شاعر کو جہنمی کہا گیا ہے مگر جو شاعر صداقت کی ڈگر پر چلے اور حق گوئی سے کام لے نیز جو کہے سو کرے تو اس کی بخشش کی بات بھی کہی گئی ہے۔ اسی کلو کو پا کر شعرا خوش فہمی کے شکار ہیں اور چاہتے ہیں کہ تقدیسی شاعری کو اپنا وسیلہ نجات بنائیں ۔لہٰذا مجیب صاحب نے عقیدت و احترام میں ڈوب کر اور دل کو پاکیزہ کر کے نعت کے اتنے اشعار کہہ ڈالے ہیں کہ کتابی شکل میں انہیں منظر عام پر لایا گیا ہے ۔ان کی شاعری اور نعتیہ شاعری دونوں کی تعریف کی جاسکتی ہے اس لئے کہ وہ فن شعر گوئی سے فضل کریم سے اچھی واقفیت اور علمیت رکھتے ہیں ۔نیز نعت گوئی کے بنیادی اصول و ضوابط سے بھی آشنا ہیں ۔ان کے چند حمدیہ اشعار ملاحظہ فرمائیں:

یہ حسن کائنات میں بکھرا اسی کا ہے
حیرت ہے اس کا دیکھنے والا اسی کا ہے
رحمت کا، رنگ زار کا، جود و نوال کا
ہر گام پہ جو نصب ہے خیمہ اسی کا ہے
اطراف مشک زار ہیں اس کے ہی مشک سے
ہرنوں کا جھنڈ اس کا ہی صحرا اسی کا ہے
سدرہ کی وسعتوں میں اسی کے کرم کی گونج
کرسی اسی کی عرشِ معلیٰ اسی کا ہے

مذکورہ حمد میں شاعر نے اپنے رب کی تعریف جس انداز سے کی ہے وہ لائق ستائش ہے۔انداز بھی نیا اور بات بھی نئے ڈھنگ کی۔شاعر نے اقرار کیا ہے کہ دونوں جہان میں جو کچھ بھی ہے وہ سب اللہ کی بخشش و عنایات ہیں ۔اشیائے عالم اور مخلوقات جہاں سب اسی ذات گرامی کی تخلیق ہیں جو سب کا رب اور پیدا کرنے والا وہی ہے ۔اللہ پر اتنا پختہ یقین اور اس کی عظمت کا اعتراف شاعر کی بخشش و نجات کا ذریعہ بھی بن سکتا ہے۔اب حمد کے اشعار سے لطف اندوز ہوں اور

شاعر کے دل میں حب نبی اور عظمت رسول کا جلوہ دیکھیں؛

ہمیشہ ایک سا انداز دیکھا
ترے دربار میں شاہ و گدا کا
تری خوشبو سے اے گلزار طیبہ
معطر ہے بدن باد صبا کا
ترے روئے منور کی ضیا سے
قمر نے استفادہ کرلیا ہے
تیرے چہرے کو نظر دیکھے یہ ممکن ہے کہاں
ہے بڑی بات جو قدموں کی زیارت ہو جائے
تیری خوشبو سے مہک جائے جو رستہ اک بار
دیکھتے دیکھتے اس راہ کی شہرت ہو جائے
نبی کا ذکر میں کرتا ہوں جس دم
فرشتے بھی مرے لب چومتے ہیں

شاعری کی خصوصیات یہ ہیں کہ اسلوب میں دلکشی ہو۔آہنگ میں شعریت ہو، لہجے میں جدت ۔خیال میں نیا پن ہو، اور اظہار میں برجستگی ہو۔ ساتھ جذبات بھی پاکیزہ ہوں اور فکر میں بالیدگی ہو ۔اس زاویے سے جب مجیب صاحب کی نعت گوئی کا محاسبہ کرتے ہیں تو صدفی صد نہ سہی کافی حد تک اس کی پاسداری ملتی ہے ۔ان کے اشعار میں تشبیہات و استعارات کے رنگ بھی جھلکتے ہیں ۔الفاظ کا انتخاب بھی عمدہ ہے۔مصرعوں میں کچھ تازگی اور شائستگی بھی دیکھنے کو ملتی ہے۔گویا وہ نعت گوئی ۔منقبت نگاری اور تقدیسی شاعری کے تقاضے سے واقف ہیں ۔کچھ اشعار اور دیکھیں۔

تمناؤں کو اجلا کرلیا ہے
مدینے کا ارادہ کرلیا ہے
رقم کرنی ہے مجھ کو نعت آقا
ورق یوں دل کا سادہ کرلیا ہے
نعت گوئی کا ہوا جب سے کرم
دل ہے روشن، بخت بھی بیدار ہے
رہنمائی کر رہے ہیں مصطفیؐ
کیا ہوا جو راستہ دشوار ہے
بچھی ہے مسندِ عز و وقار ان کے لئے
سروں کو خم کیے ہیں تاجداران کے لئے

یوں تو نعت گوئی کی تاریخ بہت پرانی ہے اور سب سے پہلے حضور کے عمّ محترِ ابوطالب نے نعتیہ خیال کا اظہار کیا لیکن اس کا سلسلہ جو دراز ہوا تو سیلابی انداز میں نعتیں لکھی جانے لگیں ۔حمد تو کم لکھی جاتی رہی ہے مگر نعتیں اتنی تخلیق ہوئی ہیں اور ہو رہی ہیں کہ ان کا شمار ممکن نہیں ۔لیکن نعت گوئی کا سب سے بڑا مسئلہ حضور اکرمؐ کی صفات حسنہ، بدنی ساخت ، کرامات متحیرہ ،جنگیں و معرکے اور خصائل دین و ایماں کا بیان ہے جس سے شعرا اکثر پہلوتہی کر جاتے ہیں اور غزل و منقبت کا انبار لگا دیتے ہیں ۔سب سے گمراہ کن کام یہ کرتے ہیں کہ آپؐ کو خدا کا ہمسر بھی بنا دیتے ہیں ۔شعرا کو اس سے گریز کرنا چاہئے۔ نعتیہ ذخائر کا محاسبہ کریں تو مدینے کی رٹ زیادہ ہے اور اوصاف حسنہ کا بیان کم ہے ۔مجیب صاحب کے یہاں اس عقیدت کا اہتمام زیادہ ہے لیکن خالص نعتیہ اشعار بھی ان کے مجموعے میں موجود ہیں ۔جس کے لئے وہ مبارکباد کے مستحق ہیں۔

بقول شمائلہ صدف عزیزی:

''بام ایجاب میں جذبات کا ترفع اور ان رفیع جذبات کے اظہار میں تنوع ، جدت ، خوش سلیقگی اور تہذیب و ترتیب قابلِ ستائش و تحسین ہے اور باعث طمانیت و تسکین بھی ۔مقام رسالت پہ بات کرنا کہ یہ نعت کا ایسا پہلو ہے جسے نبھاتے ہوئے بڑے بڑوں کا پتہ پانی اور رنگ دھانی ہو جائے مگر آپ (مجیب عزیزی) یہ پل صراط بھی نہایت عمدگی ، سبک روی اور خوش خرامی سے پار کرتے ہیں کہ شریعت کی پاسداری اور عشق کی سرشاری کمال ہوشیاری سے ہم دوش رہتے ہیں۔''

ہر چند کہ اس بیان میں حقیقت کم اور عبارت آرائی زیادہ ہے نیز عقیدت سے مملو ہے۔پھر بھی یہ مان لینے میں کوئی قباحت نہیں کہ مجیب صاحب نے اپنی نعت گوئی کو شریعت کے دائرے میں رکھا ہے۔حد نعت گوئی کو عبور نہیں کیا ہے ۔حمد و نعت کے درمیان حائل پل صراط کا خصوصی خیال رکھا ہے اس سے ان کی دانش مندی ، فنی مہارت ، لفظیات کی حد بندی اور اشعار کی تشکیلیت میں ہوش مندی کا اظہار ہوتا ہے۔چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

کھلے ہیں سارے دروازے خرد کے
نبی کے عشق کا سودا ہے سر میں
بہر خلد ہے میرے لئے کیا
بسا ہے گنبد خضریٰ نظر میں
مجھے کیا گرمیِ محشر سے ڈرنا
کہ ہوں میں سایۂ خیر البشر میں

مختصر یہ کہ مجیب صاحب سید بھی ہیں ، ابوالعلائی چشتیہ و قادریہ سے نسبت بھی رکھتے ہیں ، صوفی سید عزیز الحسن شاہ نوابی کے عقیدت مندوں میں ہیں

پیر و مرید کا رشتہ بھی ہے، ایسے ماحول میں جو شاعری ہوگی بیشک وہ پاکیزہ اور مطہرہ ہوگی سوان کی شاعری خصوصاً نعت نگاری بھی مشک و عنبر سے دھلی ہوئی ہے۔ جس کے مطالعے سے ایمان میں تازگی اور یقین میں پختگی آتی ہے۔ اللہ کرے یہ سلسلہ جاری و ساری رہے۔ انہوں نے نہ صرف نعتیں کہی ہیں بلکہ خوبصورت اور پُرعقیدہ مناقب بھی کہے ہیں۔ جن میں امام حسینؑ کے صفات و حیات کے تذکرے اور واقعات کربلا کے واقعات بھی عکس ریز ہیں نیز اپنے پیر و مرشد کی شان میں قصیدے بھی لکھے ہیں۔ اللہ ان کے جذبے کو سلامت رکھے تاکے باب نعت گوئی میں اضافہ ہوتا رہے۔ آمین۔

☆☆☆

(بامِ ایجاب پر ایک طائرانہ نظر کا بقیہ)

جسارت، اختر شماری عاشق کا مقدر ہیں۔

عاشق کا مقدر ہیں۔

مضامین نو کی چاشنی سے مملو چند اشعار قارئین کی نذر ہیں، جن میں شاعر کے دین و ایمان کی بھرپور ترجمانی عکس ریز ہے۔

اس لیے رب دو عالم نے بنائیں راتیں
عالم خواب میں ہو جائے زیارت ان کی

جذب کر لے گا حرارت اپنے سینے میں مجیب
آفتاب حشر بھی ان کی رداء کو دیکھ کر

اے ہوا! لے سانس آہستہ یہاں
یہ دیار احمد مختار ہے

چاہتا ہوں کہ میری مٹی بھی
خاک شہر نبی میں ضم ہو جائے

مرا سینہ بھی ہو جائے منور
بنے جو نقش تیرے نقش پا کا

لوٹ کر آئی نہیں میری نظر
اتنا شہر مصطفیٰ اچھا لگا

میری ناقص رائے میں ذیل کے مصرعے عدم توجہی کا شکار ہو گئے ہیں

۱۔ آغوش میں طلسم کے دریا جو قید ہوں
۲۔ بادصبا کے خامے سے قرطاس صبح پر
۳۔ طائر دل خوش ہوا ہے کس قدر میرا نہ پوچھ
۴۔ اے مرے دل پریشاں ہے کیوں اس قدر
۵۔ ہوتی نہیں یہاں پہ ہوائیں بھی تیز گام
۷۔ دامن آقا سایہ کیے ہے مجھ پہ مجیب

۱۔ آغوش تانیث ہے۔ ۲۔ فارسی لفظ خامہ کے حرف ''ی'' کی ترخیم روا نہیں ہے۔ ۴-۳۔ قدر بروزن سفر بمعنی تقدیر، مساوی، حکم مجمل وغیرہ اور قدر بروزن درد بمعنی مقدار وغیرہ۔ لہٰذا یہاں ''قدر'' کی جگہ ''طرح'' کہا جا سکتا تھا۔ ۵۔ ہوتی کی جگہ ہوتیں۔ ۶۔ یہ کی جگہ ''کہ'' یا ''جو'' کی ضرورت تھی۔ ۷۔ سایۂ دامانِ آقا ہے مجھ پہ مجیب

میاں مجیب الحسن صاحب بالکل نوجوان صالح شاعر ہیں۔ میں وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ''بام ایجاب'' اہل علم سے قبولیت کی سند حاصل کرنے کی اہل ہے اور میاں صاحب 'ہے مشق سخن جاری چکی کی مشقت بھی' کے مصداق مشق اور مطالعہ کرتے رہے تو آنے والے دنوں میں صف اول کے نعت گو شعراء میں شمار کیے جائیں گے۔

☆☆☆

نعتِ پاک

چمک گئی ہے مری قسمت درود پرھتے ہوئے
ٹلی ہر ایک مصیبت درود پڑھتے ہویے

بھٹک رہا تھا کہیں دشتِ نامرادی میں
ملی خیال کو رفعت درود پڑھتے ہویے

پہنچ گیا جو مقدر سے ان کی گلیوں میں
تو میں کروں گا زیارت درود پڑھتے ہویے

خدائے پاک مجھے تاجِ کامرانی دے
کروں گا نعت کی خدمت درود پڑھتے ہویے

ہنر سے' قوتِ بازو سے مل نہیں سکتی
ملے گی دولتِ شہرت درود پڑھتے ہویے

ہر ایک سانس کی قیمت وصول ہو جایے
ملے جو جامِ شہادت درود پرھتے ہویے

سلگ رہا تھا مرا جسم آتشِ غم سے
ملی ہے اس کو وبرودت درود پڑھتے ہویے

نصیب ہوتی ہے عشاقِ مصطفیٰ کو مجیب
متاعِ گلشنِ جنت درود پڑھتے ہویے

☆☆☆

منیر سیفی
سمن پورہ، مالک لین
BVC، پٹنہ-800014
رابطہ:9835268274

بامِ ایجاب پر ایک طائرانہ نظر

بامِ ایجاب، سید محمد مجیب الحسن نوابی عزیزی کا اولین مجموعہ نعوت و مناقب ہے۔ میری سمجھ سے بام ایجاب ایک اچھوتا نام ہی نہیں بلکہ اسم با مسمّٰی بھی ہے جس کا انتساب شاعر نے ''برادر بزرگ پیر طریقت رہبر شریعت مخدوم ملت سر چشمۂ علم وحکمت حضرت صوفی سید محمد عزیز الحسن شاہ نوابی لیاقتی ابوالعلائی چشتی قادری، سجادہ نشیں آستانۂ عالیہ نوابیہ قاضی پور شریف فتح پور، ہسپورہ یو پی'' کے نام کیا ہے۔

سید محمد نورالحسن نور نوابی عزیزی ''عشق رسول کی میراث'' کے تحت رقمطراز ہیں

جا تا ہے بارگاہ نبیؐ میں جھکائے سر
رخش تصورات کی تھامے ہوئے لگام

یہ شعر ہے میرے عزیز از جان برادر اصغر سید مجیب الحسن نوابی عزیزی کا...... مجیب الحسن کا ذوق سخن خاصا لطیف اور ستھرا ہے۔ وہ میری شاعری کا سب سے پہلا اور سب سے اچھا سامع ہے۔''

یاور وارثی عزیزی نوابی ''حجرۂ فن میں معتکف شاعر: مجیب نوابی'' کے تحت رقمطراز ہیں:

''فضائے 'بام ایجاب' میں حسن و جمال کی ایک دنیا آباد ہے۔''

شمائلہ صدف عزیزی ''مجیب نوابی کا بام ایجاب کے تحت رقمطراز ہیں:

''محمد مجیب الحسن'' اور ''بام ایجاب'' 'مجیب' ایجاب مصدر سے اسم فاعل ہے۔ جس کے کئی معانی ہیں مثلاً جواب دینا، قبول کرنا، تسلیم کرنا وغیرہ۔ ان سب معانی کے آئینے میں جب ہم جناب مجیب کی شخصیت کو دیکھتے ہیں تو اطاعت گزاری، فرمانبرداری، تسلیم ورضا اور علوم ظاہری و باطنی کا انجذاب جیسے اوصاف جلیلہ عکس در عکس نظر نواز ہوتے ہیں۔ ''مجیب الحسن'' یعنی ہر اچھی بات اور خصلت قبول کرنے والے اور ''بام ایجاب'' یعنی مجیب حقیقی کے حضور التجاؤں کی قبولیت کا مظہر صادق۔''

محمد طفیل احمد مصباحی شاعر سید مجیب الحسن نوابی کے تحت رقمطراز ہیں:

''مجیب میاں صاحب اگر چہ عصری تعلیم یافتہ اور ایک اچھے سافٹ ویئر انجینئر ہیں لیکن دین و مذہب کا بڑا گہرا مطالعہ رکھتے ہیں۔ مطالعۂ کتب، نثر نگاری، نعت گوئی اور منقبت نگاری ان کے دلچسپ مشاغل ہیں۔ علمی، ادبی اور تاریخی کتابوں کا خوب مطالعہ کرتے ہیں۔''

ڈاکٹر شکیل احمد اعظمی ''حضرت مجیب اور لہجہ کی متانت'' کے تحت رقمطراز ہیں:

''حضرت مجیب الحسن مجیب کی ولادت ۱۲؍جولائی ۱۹۹۰ء میں فتح پور شریف میں ہوئی۔ آپ مشہور بزرگ حضرت سید صوفی نواب علی شاہ علیہ الرحمہ کے برخوردار ہیں، جن کے دل کا گوشہ گوشہ عشق وعرفان کی دولت سے مالا مال تھا۔ وراثت میں یہ نعمت ان کے شہزادگان کو بھی ملی۔''

صاحبزادہ محمد نجم الامین عروس فاروقی مونیاں شریف، ضلع گجرات نے ''بام ایجاب'' کی تاریخ اشاعت نکالی ہے

''مظہر کمالِ مجیب الحسن 1440ھ ہے ''نسخۂ نعوت ومناقب'' سے آشکار 1440ھ

مذکورہ بالا گرانقدر آراء کے بعد مجھ ہیچ مدان کے لیے کچھ بچا ہی نہیں کہ جرأت خامہ فرسائی کروں۔ لیکن محترالمقام قاری اخلاق احمد صاحب کا حکم ہے کہ میں اپنی ہیچ مدانی کو آشکار کروں۔ سو میں نے 'بامِ ایجاب' کا مطالعہ کیا اور اس نتیجہ پر پہنچا کہ میدانِ نعوت ومناقب میں سینکڑوں شعراء خیمہ زن ہیں جو مشاعروں میں ورزشِ گلو کے لیے اور فیشن کے طور پر نعت لکھتے ہیں۔ لیکن ''بامِ ایجاب'' کے مشمولات سے میں اتنا متاثر ہوا کہ مجھے یہ کہنے میں فخر محسوس ہوتا ہے کہ ''بامِ ایجاب'' کے مشمولات کا تعلق دل اور روح کی عمیق گہرائیوں سے ہے۔ مجیب الحسن کے کلام میں جو دیوانگی اور وارفتگی ہے وہ آج کے نعت گو شعراء کے ہاں خال خال ملتی ہے۔ مجیب الحسن بلاشبہ عاشقِ صادق رسولؐ ہیں اور اس بات سے انکار کوئی دہریہ ہی کرسکتا ہے کہ سارے درد وغم، حزن وملال، آلام و مصائب، کوہکنی، تیشہ زنی، جوئے شیر، کچے گھڑے پر دریا عبور کرنے کی جسارت

(بقیہ صفحہ 35 پر)

اوج اکبرپوری
رہتاس (بہار)

بام ایجاب ایک نسخۂ نایاب

تقدیسی شاعری کا سلسلہ عرصۂ دراز سے جاری ہے۔ خاص کر نعتِ پاک کی تو ایک مستند تاریخ ہے۔ یہ کارِ خیر خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ کے زمانے میں بھی جاری وساری تھا۔ حضرت حسّان صحابیِ رسول کی نعتِ پاک کو خود آنحضور صلعم بغور سماعت فرماتے بلکہ بار بار پڑھنے کی فرمائش بھی کیا کرتے تھے۔ حضور صلعم کی نعت لکھنی، پڑھنی اور سننی بھی ایک طرح کی عبادت ہے۔ جو اس سے محروم ہے وہ ایک بڑی نعمت سے محروم ہے۔ عربی زبان کے علاوہ فارسی اور اردو میں بے شمار نعتیں لکھی گئی ہیں۔ منقبت بھی اسی زمرے میں آتی ہے جس میں صحابۂ کرام اہلِ بیتِ رسول اور بزرگانِ دین کا تذکرہ ہوتا ہے۔

ہمارے ملک میں خاص کر خانقاہی ماحول اور مزاج والے حضرات نے نعت ومنقبت کے فن کو جو جلا بخشی ہے وہ اظہر من الشّمس ہے۔ عشقِ رسول اور محبت اہلِ بیت رسول شریعت مطہرہ میں منزلِ عرفان تک پہنچنے کا پہلا زینہ ہے۔ جس صاحب ایمان کا دل ودماغ اس سے خالی ہے وہ کامیاب نہیں ہے۔ انہیں میں ہے خانقاہِ نوابیہ ابوالعلائیہ چشتی قادریؒ کا نام نہایت ادب واحترام سے لیا جاتا ہے۔ اس خانقاہ کے بانی اپنے وقت کے عظیم صوفی صافی بزرگ حضور سید نواب علی شاہ ہیں۔ حضور والا کے تین صاحبزادگان ہیں جن میں سب سے بڑے خانقاہ نوابیہ کے صاحب سجادہ حضرت سید عزیز الحسن دامت برکاتہم ہیں۔ ان کے بعد سید نور الحسن شاہ صاحب ہیں جو دبستانِ نوابیہ کے بانی ہیں۔ تیسرے نمبر پر حضرت مجیب الحسن نوابی ہیں۔ یہ سبھی حضرات تقدیسی کلام کے دلدادہ ہیں۔ ''بامِ ایجاب'' حضرت مجیب الحسن نوابی کے تقدیسی کلام کا مجموعہ ہے۔ حضرت کی پیدائش ۱۹۹۰ء میں ہوئی۔ اس حساب سے وہ ابھی تیس سال کے زینے پر پہنچے ہیں۔ انہوں نے خود کو تقدیسی کلام سے جوڑ کر حیاتِ ابدی حاصل کر لی ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ صرف مجیب صاحب اس فن میں یدطولیٰ رکھتے ہیں بلکہ اس خانقاہ کے تینوں چشم وچراغ نعت گوئی میں ایک منفرد حیثیت کے حامل ہیں۔ اور ''بمثل ایں ہمہ خانہ آفتاب است'' خانقاہ کے وقار کے ساتھ نعت پاک کو بھی عروج پر پہنچایا ہے۔

مجیب صاحب نے مجموعہ کا نام بام ایجاب رکھا ہے۔ مجیب اور ایجاب دونوں کا مخرج ایک ہے۔ یہ ان کی علمی فہم وفراست کا زندہ جاگتا ثبوت ہے۔

شعروادب کا پاکیزہ اور ستھرا شوق بھی عطیۂ خداوندی ہے۔ خاص کر نعت گوئی میں عقل وہوش کو قابو میں رکھنا پڑتا ہے۔ یہ وہ ڈگر ہے جسے تلوار کی دھار سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ الوہیت ورسالت کا فرق سمجھے بغیر جس نے غلو سے کام لیا وہ خارج از اسلام ہو جائے گا۔ یہ دربارِ نوابیہ کا فیض ہے کہ اس میں صاحبِ کتاب نے کمال حاصل کیا ہے۔ اور خوب کیا ہے اور بے شمار اشعار سے ذہن وزبان کو پاکیزہ بنایا ہے۔ آپ کا مزاج خانقاہی ماحول میں رچا بسا ہے اور ایسا کیوں نہ ہو کہ آپ کو اپنے والد بزرگوار ولیِ کامل، عارف باللہ اور سچے عاشقِ رسول کی آغوش تربیت حاصل ہے اور خشتِ اول کی درست سمت میں معماری ہوئی ہے۔

جیسا کہ پتہ چلا کہ آپ عصری تعلیم یافتہ ہیں اور ایک اچھے سافٹ ویرانجنئر ہیں' کاروباری سلسلے میں ممبئی میں قیام پذیر ہیں۔ خانقاہی پس منظر میں پرورش وپرداخت کے سبب بزرگانِ دین سے انھیں گہری عقیدت ہے۔ صوم وصلوٰۃ کی پابندی کے ساتھ درود شریف کا ورد ہمیشہ زبان پر رہتا ہے۔ بلاشبہ درود شریف ایسے لافانی کلمات ہیں جس نے بھی اسے اپنی زندگی کا وظیفہ بنالیا وہ کامیاب ہوا۔ اس لیے وہ ایک جگہ کہتے ہیں:

چمک گئی میری قسمت درود پڑھتے ہویے
ٹلی ہر ایک مصیبت درود پڑھتے ہویے
بھٹک رہا تھا کہیں دشتِ نامرادی میں
ملی خیال کو رفعت درود پڑھتے ہویے

اس خانوادے کے لوگوں کا یہ معمول رہا ہے کہ روزانہ بعد مغرب حضرت نوابؒ کے مزار کے پاس جمع ہوتے ہیں جس کے میرِ کارواں صاحب سجادہ حضرت سید محمد نور الحسن نور نوابی عزیزی ہوتے ہیں اور نعت خوانی کا دور چلتا رہتا ہے۔ اس خانوادہ کے علاوہ اس محفل میں دوسرے لوگوں کا بھی عارفانہ کلام پڑھا جاتا ہے۔ صاحبزادہ محمد نجم الامین عروسی (پاکستان) نے بامِ ایجاب کا سالِ اشاعت ''مظہرِ کمال مجیب الحسن'' ۱۴۴۰ھ نکالا ہے۔ اور اس پر ایک نظم بھی لکھی

ہے۔مقطع میں ''نسخۂ نعوت ومناقب'' سے بھی ۱۴۴۰ھ کو ظاہر کیا ہے۔اس مجموعہ میں مختلف حضرات نے مختلف عنوان سے مجیب صاحب کی شاعری اور شخصیت پر روشنی ڈالی ہے۔اور سیر حاصل بحث کی ہے جس میں یاور وارثی عزیزی نوابی اور خواہرِ طریقت شمائلہ صدف عزیزی فیصل آباد (پاکستان) کا نام خصوصیت کے ساتھ لیا جاسکتا ہے۔جناب یاور وارثی ایک جگہ رقم طراز ہیں اور اس میں وہ حق بجانب بھی ہیں کہ ''بامِ ایجاب'' عشق کی وہ کیاری ہے جس کے ہر پودے پر عشقِ رسول کے بھونرے گنگنار ہے ہیں اور فضائے بامِ ایجاب میں حسن وکمال کی ایک دنیا آباد ہے۔اسی طرح شمائلہ صدف عزیزی صاحبہ نے اپنے خیالات کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے ''مجیب الحسن کی شاعری میں جذب کا ایک خاص پہلو دکھائی دیتا ہے۔آپ کی شاعری میں عہدِ رسالت کی تابش ،جلوۂ نبوی کی امین صبحیں ،وجودِ مصطفیٰ سے مہکی شامیں ،اہلِ بیت اطہار کی فضیلتیں اور ان کی کامرانی کی شاہد ساعتیں عہدِ حاضر کے لئے توانائی بخش دوا اور نسخۂ شفا ہیں۔'' ان کے اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

رہ نمائی کررہے ہیں مصطفیٰ
کیا ہوا جو راستہ دشوار ہے
تلاطم خیز بحرِ زندگی میں
درودوں کو سفینہ کرلیا ہے
تری خوشبو سے اے گلزارِ طیبہ
معطر ہے بدن بادِ صبا کا

ان دو حضرات کے علاوہ مجیب الحسن صاحب کے برادرِ بزرگ اور ان کی شاعری کے استاذ صاحب سجادہ خانقاہ نوابیہ جناب سید نور الحسن نور نوابی عزیزی نے بعنوان ''عشق رسول کی میراث''،طفیل احمد مصباحی نے بعنوان ''شاعر حضرت مجیب الحسن''، ڈاکٹر شکیل اعظمی نے ''حضرت مجیب اور لہجے کی متانت'' کے عنوان سے بالتفصیل ان کے شاعرانہ کمال کو بیان کیا ہے۔اور پرمغز مقالات سے نوازا ہے جس سے مجیب الحسن صاحب کے کلام کی پرت در پرت عقدہ کشائی ہوتی ہے۔

حمدِ خداوندی اور نعتِ نبوی کے ساتھ منقبت کے اشعار بھی کتاب کی زینت بنے ہوئے ہیں۔منقبت کی شروعات حضرت فاطمہؓ، حضرت مولا علیؓ حضرات حسنین کریمینؓ اور اولیائے کرام کی مدح سرائی سے کی ہے۔الغرض یہ مجموعہ گنجینۂ عقیدت ومحبت سے پُر ہے۔اشعار نہایت سادہ اور عام فہم ہیں۔چند نعتیہ اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

میں نے جو مانگا ہے وہ ملا آپ کے در سے
کیوں کر نہ ہو پھر رابطہ آپ کے در سے
سخاوت عطا کی ہے اسے آپ نے آقا
ہے برگِ حنا برگِ حنا آپ کے در سے
دم بخود ہے مہر شاہِ دوسرا کو دیکھ کر
چاند بھی حیرت میں ہے بدرالدجیٰ کو دیکھ کر

کتاب کا خاتمہ اپنے والد بزرگوار اور پیرِ طریقت قبلہ نواب صاحب ؒ کی منقبت پر کیا ہے۔وہ فرماتے ہیں۔

قبلۂ اہلِ نظر کوچہ شہہِ نواب کا۔کعبۂ اہلِ صفا روضہ شہہِ نواب کا
یادگار خواجۂ اجمیر ان کی ہر ادا
اہلِ دل سے پوچھئے رتبہ زہِ نواب کا
شوکت شاہی بھی دے کوئی اگر مجھ کو مجیب
چھوڑ کر جاؤں نہ میں کوچہ شہِ نواب کا

۱۴۲ رصفحات کا یہ مجموعہ نعوتِ پاک کا خزینہ ہے جو پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔کتابت وطباعت نہایت عمدہ غلطیوں سے پاک ہے۔تقدیسی شاعری کے باب میں اسے ایک گرانقدر اضافہ ہی کہا جاسکتا ہے۔امید ہے کہ اس مجموعے کی پذیرائی خوشدلی سے کی جایے گی۔☆☆☆

منقبت

تاجِ کمالِ کنز عطا میرے ساتھ ہے
فیضِ نگاہِ شیرِ خدا میرے ساتھ ہے
میں پڑھ رہا ہوں سیرتِ مولائے کائنات
اک کائناتِ عشق ووفا میرے ساتھ ہے
روشن ہیں میرے ہونٹوں پہ مدحِ علی کے پھول
موجِ خرامِ بادِ صبا میرے ساتھ ہے
کیا لطف ہو اگر درِ جنت پہ وہ کہیں
مت روکو یہ غلام مرا میرے ساتھ ہے
نعرہ لگا دیا تھا ابھی میں نے یا علی
دیکھا تو جوشِ عزم ووفا میرے ساتھ ہے
مولا علی کے سایۂ رحمت میں جب سے ہوں
ہر اک قدم پہ ظلِ ہما میرے ساتھ ہے
کیسا مرض ہو، زخم کوئی، فکر کیا مجیب
شہرِ نجف کی خاکِ شفا میرے ساتھ ہے

☆☆☆

حجرۂ فن میں معتکف شاعر: مجیب نوابی

آج پھر مرحلہ درپیش ہے اس گلشنِ علم و ادب اور چمنِ شریعت وطریقت کے ذکر کا جس نے بہت قلیل عرصے میں ہندو پاک میں اپنی اہمیت و عظمت کا لوہا منوالیا ہے۔جس کی ہر کلی میں علم وہنر کی نکہت رقصاں ہیں۔جس کے ہر پھول میں عشقِ رسول کا جمال نورفشاں ہے۔جس کی وسعتوں میں حرف ولفظ کی بہاریں ہمہ دم اپنی جلوہ سامانیوں کا اظہار کرتی ہیں۔جس کے روز وشب کی آغوش میں نجانے کتنی خوشرنگ ساعتیں ہمکتی نظر آتی ہیں۔جو عظمتوں کا سمندر ہے جس نے کتنے ہی سوکھے دریاؤں کے دامنوں کوشریعت کے آبِ شیریں سے بھر دیا ہے؛ جس نے کتنے ہی صحراؤں کوطریقت کا آبِ نمو عطا کرکے سرسبز وشاداب کیا ہے؛ جس کی شہرتوں کے دامن میں برِاعظم ایشیا کی تمام وسعتیں سمٹ گئی ہیں۔اس گلشنِ علم وادب کا نام ہے ''خانقاہ نوابیہ ابوالعلائیہ''۔ یہ خانقاہ ایک چھوٹے سے گاؤں میں یعنی قاضی پورشریف، کھاگا، ضلع فتح پور میں واقع ہے۔اس خانقاہ کے سورج کی حیات افروز کرنیں ایک عالم کوروشن کئے ہوئے ہے۔

اس خانقاہ کے بانی مبانی اپنے وقت کے عظیم صوفی صافی بزرگ حضورسیدنواب علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔یہیں سے ایک سلسلہ طریقت یعنی سلسلہ نوابیہ ابوالعلائیہ کا اجرا ہوا۔اور بہت جلد اس سلسلے کے دامنِ کرم سے ہزارہاہزار لوگ وابستہ ہوگئے۔

حضورسیدنواب علی شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی اولادِ نرینہ میں تین صاحبزادگان جن میں بڑے صاحبزادے خانقاہ نوابیہ کے صاحب سجادہ حضور حضرت سید عزیزالحسن شاہ صاحب قبلہ ہیں۔ان کے بعد حضور حضرت سید نورالحسن شاہ صاحب قبلہ کی ذات گرامی ہے۔حضرت نور دبستانِ نوابیہ عزیزیہ کے بانی ہیں۔دبستان نوابیہ عزیزیہ کو وجود میں آئے ابھی بہت قلیل عرصہ گزرا ہے لیکن اپنے کارہائے نمایاں کے اعتبار سے اس تنظیم نے ایک طویل سفر طے کیا ہے۔خصوصاً خدمتِ نعت کے میدان میں آج یہ ہندو پاک کی فضاؤں میں گمنام نہیں۔تیسرے صاحبزادے حضور حضرت سید مجیب الحسن نوابی صاحب قبلہ ہیں جو حضرت نور کے کاندھے سے کاندھا ملا کر دبستانِ نوابیہ کے فروغ کی جدوجہد میں ہمہ تن مصروف ہیں بلکہ مجھے کہنے دیجئے کہ اگر مجیب میاں کا ہاتھ حضرت نور کو نہ ملا ہوتا تو شاید دبستان نوابیہ عزیزیہ کوتنِ تنہا اتنی جلدی اور اتنا آگے لے جانا ان کے لئے ممکن نہ ہوتا۔

یہ تینوں حضرات یعنی صاحب سجادہ حضرت سید عزیزالحسن میاں صاحب قبلہ، حضرت سید نورالحسن میاں صاحب قبلہ اور حضرت مجیب الحسن میاں صاحب قبلہ نہ صرف نعت کے فروغ کے لئے کوشاں رہتے ہیں، نہ صرف یہ کہ نعتِ رسول کے عاشق زار ہیں بلکہ تینوں حضرات خود بھی غزل، نعت اور مناقبِ بزرگان کے بہت اچھے شاعر ہیں اور خوب خوب شعر کہتے ہیں۔حضور صاحب سجادہ کے پاس اچھا خاصا ذخیرۂ نعت ومناقب اور غزلیات کا موجود ہے۔لیکن وہ اپنی خانقاہی مصروفیات کی وجہ سے اس کی اشاعت وطباعت کی طرف توجہ دینے کا وقت نہیں نکال پاتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ ان کا آج تک کوئی دیوان منظرِ عام پر نہ آسکا۔جہاں تک حضرت نور کا تعلق ہے ان کے تقریباً آٹھ نو مجموعے منظرِ عام پر آکر قبولِ عام کی سند حاصل کر چکے ہیں۔آپ غزل، رباعی، قطعہ، نعت اور مناقب کے علاوہ دیگر اصناف سخن میں بھی ید طولیٰ رکھتے ہیں۔آپ تمام اصناف سخن میں نعت نگاری اور منقبت نگاری پر مکمل دسترس کی حامل شخصیت ہیں۔اسی لئے وہ اپنی تمام تر صلاحیتوں کو اسی کے نام وقف کر چکے ہیں۔حضرت نور نے غالب کی زمینوں میں بھی خوب خوب نعتیں کہی ہیں۔غالب کی زمینوں میں آپ کا مجموعہ ''ثنا کی نکہتیں'' منظرِ عام پر آچکا ہے اور یہ خاصے کی چیز ہے۔ اس کی مقبولیت کا بین ثبوت یہ ہے کہ منظر عام پر آتے ہی اس مجموعے نے ہند وپاک میں قابلِ رشک قبول کی سند حاصل کی۔ابھی حال میں پاکستان میں ''نعت ریسرچ سینٹر'' کراچی نے اسے شائع کرنے کا فیصلہ کیا اور فوراً ہی طباعت کے مرحلے سے گزار کر بازار میں لے آئے۔پاکستان کے متعدد اہلِ قلم اور اہل نظر کی آرا سے مزین یہ کتاب پاکستان کے شرق وغرب میں موضوعِ ذکر ہے۔اور داد کے تروتازہ پھول وصول کر رہی ہے۔مجھے فخر ہے کہ میں خانقاہ نوابیہ ابوالعلائیہ سے وابستہ ہوں اور تینوں بھائیوں کا دستِ کرم وکرامت میرے سر پر سایہ کئے ہوئے ہے۔میں جتنا اپنا خیال نہیں رکھ سکتا اس سے زیادہ یہ

حضرات میرا خیال رکھتے ہیں۔

تینوں بھائی مطالعہ کا ذوق رکھتے ہیں اور تینوں کی اپنی اپنی لائبریریاں ہیں۔ان میں سیکڑوں کتابیں مختلف موضوعات کی موجود ہیں اور جو بھی کتابیں موجود ہیں وہ صرف دکھاوے کے لئے نہیں نہ لائبریری کی زینت بڑھانے کے لئے ہیں بلکہ تمام کتابیں ان حضرات کے مطالعے سے گزر کر الماریوں کی زینت بنی ہیں۔

اب آتے ہیں حضرت سید مجیب الحسن میاں مجیب نوابی صاحب قبلہ کی طرف۔ان کا ذوقِ مطالعہ عرش کی بلندیوں سے ہم آغوش ہے۔یہ میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ یہ سب کچھ سنا سنایا نہیں بلکہ چشم دید ہے۔آپ کاروباری ضرورت کے تحت ممبئی کے باندرہ ایسٹ میں قیام پذیر ہیں۔وہاں اکثر میرا آنا جانا رہتا ہے۔میں نے دیکھا ہے ان کے پاس شریعت وطریقت اور شعر وادب کی کتابوں کا اچھا خاصا ذخیرہ ہے اور حال یہ ہے کہ کاروباری مصروفیات کے باوجود اکثر پوری پوری رات مصروفِ مطالعہ رہتے ہیں۔دن میں کاروباری مصروفیتیں شب میں مطالعۂ کتب اور یہ حضرت مجیب کا ہمیشہ کا شغل ہے۔وہ اس ناممکن کو کیسے ممکن بناتے ہیں یہ تو وہی جانتے ہیں اور وہی بتا سکتے ہیں۔میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ ہمارے بزرگوں کا فیضان ہے اور خود ان کے والد بزرگوار حضرت سید نواب علی شاہ کا مخصوص فیضان ہے کہ حضرت مجیب ممکن کو ناممکن کر دینے میں پوری طرح کامیاب ہیں۔جہاں تک ادبی کتب کا معاملہ ہے وہ افسانہ ناول اور شاعری پر خصوصی توجہ دیتے ہیں۔ان کے پاس کلاسک ادب کا اچھا ذخیرہ موجود ہے جسے وہ کانپور کی عوامی زبان میں گھول کر پی چکے ہیں۔کلاسک پڑھنے کے بعد ان کا رجحان جدید ادب کی طرف ہوا اور انھوں نے جدید ادب کے اہم شعرا وادبا کی کتابوں کا مطالعہ شروع کیا اور اس کے ایسے وارفتہ اور فریفتہ ہوئے کہ اسی کے ہو گئے۔حضرت مجیب عمر کے اعتبار سے ابھی تیس کے بھی نہیں ہوئے لیکن جتنا انھوں نے پڑھا ہے ہر شخص اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔میں نے کہا تھا کہ حضرت مجیب جدید ادب کے وارفتہ اور فریفتہ ہو گئے تو یونہی نہیں کہا۔انھوں نے جب شاعری کی شروعات کی تو جدید رنگ ہی ان کو پسند آیا۔اب ان کی فکر جدید شعر وسخن کے باغوں کی سیر کے علاوہ دوسری طرف مڑ کر بھی نہیں دیکھتی۔انھوں نے اپنی ذات کے حجرے سے کائنات کو دیکھنے کا ہنر سیکھا ہے۔حضرت مجیب کی شاعری کی یہی بنیاد ہے۔حضرت مجیب کی نعت ہو یا غزل استعاروں کے بغیر کلام نہیں کرتی۔ان کے الفاظ کا دروبست اتنا خوبصورت ہوتا ہے کہ شعر کی قرأت میں کہیں بھی زبان نہیں اٹکتی۔ان کے لہجے کی شیرینی ان کے قاری کو اپنا گرویدہ بنا لیتی ہے۔وہ شاعری کی جمالیات سے بھی واقف ہیں اور شعر کا فنی نظام بھی ان کی گھٹی میں پڑا ہوا ہے۔تخلیقی صلاحیتیں ان کے اندر کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہیں۔

اتنی صلاحیتوں اور خوبیوں کے مالک ہوتے ہوئے بھی وہ شعر بہت کم کہتے ہیں۔شاید اس امر میں ان کی کاروباری مصروفیتیں مانع ہیں۔اگر ایسا نہ ہوتا تو اب تک ان کے دو تین مجموعے تو ضرور منظرِ عام پر آ گئے ہوتے۔یہ بات میں ان کے برادر بزرگ اور استاذ مکرم حضرت نور کے شعری ذخیرے کو سامنے رکھ کر کہہ رہا ہوں جو بہت تیزی سے اور معیاری اشعار کہتے ہیں۔

میرے ممدوح گرامی حضرت مجیب نوابی کا پہلا مجموعہ "بامِ ایجاب" منظرِ عام پر آ رہا ہے جس میں ان کی اب تک کہی ہوئی تمام نعتیں اور منقبتیں شامل ہیں۔یہ اگرچہ تعداد میں بہت کم ہیں لیکن معیار میں اپنی سند آپ ہیں۔

نعت سے ان کو عشق وراثت میں ملا ہے۔اسی لئے وہ سب سے پہلے نعتیہ مجموعہ ہدیۂ قارئین کرنے جا رہے ہیں۔حضرت مجیب کی نعتوں کا بنیادی وصف ہی عشقِ رسول ہے۔اگر یہ وصف شاملِ حال نہ ہوتا تو شاید وہ اتنی اچھی اور معیاری نعتیں کہنے میں کامیاب نہ ہوتے۔نعت نگاری میں انہوں نے نعت کہنے کے تمام آداب کا پورا پورا خیال رکھا ہے۔ان کی نعتیہ شاعری میں ایسے اشعار نظر نہیں آتے جو قابلِ گرفت ہوں۔وہ جب نعت کہتے ہیں اپنا دل درِ رسول پر ڈال دیتے ہیں۔ان کا دل دربارِ رسول سے مضامین کی بھیک لے کر انھیں لفظوں کا جامہ پہنا دیتا ہے۔اسی لیے ان کی نعت کا ہر شعر فردوسِ دل ونظر بنتا ہے۔میرے ان تمام دعوں کی دلیل کے طور پر ان کا پورا نعتیہ دیوان موجود ہے آیئے اب حضرت مجیب کے گلزارِ نعت کی سیر کو نکلتے ہیں اور وہاں کی شادابی اور زرتابی سے دل ونگاہ کا رزق حاصل کرتے ہیں۔

"بامِ ایجاب" عشقِ رسول کی وہ کیاری ہے جس کے ہر پودے پر عشقِ رسول کے بھنورے گنگنا رہے ہیں۔بامِ ایجاب کے آسمان پر اعترافِ عظمت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کہکشاں بکھری ہوئی ہے۔فضائے بام ایجاب میں حسن وجمال کی ایک دنیا آباد ہے۔حمد سے شروع کرتے ہیں۔

احساس کے افق پہ چمکتا ہے اس کا چاند
جس سے میں دیکھتا ہوں دریچہ اسی کا ہے
رحمت کا، رنگ زار کا، جود ونوال کا
ہر گام پر جو نصب ہے خیمہ اسی کا ہے
آغوش میں طلسم کے دریا جو قید ہوں
پانی میں ماہتاب اترتا اسی کا ہے
اطراف مشک زار ہیں اس کے ہی مشک سے

Unfiled Notes Page 21

ہرنوں کا جھنڈ اس کا ہے صحرا اسی کا ہے

اللہ جمیل ہے اور وہ جمال کو پسند کرتا ہے ۔مندرجہ بالا اولین دو اشعار میں حسن و جمال کی جوندی رواں دواں ہے وہ حضرت مجیب کی قوت متخیلہ کا ہمیں ادراک کراتی ہے۔ دوسرا اور تیسرا شعر خوبصورت منظروں کے حوالے سے حمدِ رب العباد بیان کرتا ہے۔ یہ تبھی ممکن ہے جب شاعر باریک بینی سے اپنے اردگرد کا مشاہدہ کرتا ہو۔ایک ایک منظر کے دل میں اتر جاتا ہو۔ایک ایک پھول سے ایک پتی سے مصروف کلام ہوتا ہو۔بہتی ندی کے ساتھ خود بھی دور تک چلا جاتا ہو ندی کی ایک ایک موج کے تحرک پر نظر رکھتا ہو گلشنوں میں کوکتی کوئل کی کوک جس کی ہمراز اور ہم آواز ہو جس کو حرف ولفظ کے درست استعمال کا سلیقہ ہو اس منزل تک پہنچے بنا ایسے اشعار کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔

حمد میں کل گیارہ اشعار ہیں ۔میں نے یہاں چار اشعار پیش کئے ہیں باقی اشعار میرے دعوے کی دلیل کے طور پر آپ خود پڑھ لیجئے ۔حمد کے بعد مناجات ہے۔جس میں کل سات اشعار ہیں ۔مناجات میں بات اس وقت تک نہیں بنتی جب تک دل کو سراپا گداز نہ بنا دیا جائے اور آنکھیں بارگاہ ربّی میں اشکوں کے موتی نہ نثار کریں ۔حرف سراپا دعا نہ بن جائیں ۔یہ تمام خوبیاں حضرت مجیب کی مناجات میں بدرجہ اتم نظر آتی ہیں ۔چند اشعار بغیر کسی تبصرے کے پیش کرتا ہوا آگے بڑھتا ہوں۔

ترے لطف کا سلسلہ یا الٰہی
رہے ساتھ میرے سدا یا الٰہی
کھلیں میری باتوں سے کلیاں دلوں کی
بنا دے مثالِ صبا یا الٰہی
سلامت رہے دل میں حبِ شہہِ دیں
یہی ہے فقط اک دعا یا الٰہی

حصۂ نعت جو ۲۵ نعتوں پر مشتمل ہے اس میں آسان اور مشکل دونوں قسم کی ردیفوں میں نعتیں کہی گئی ہیں ۔بحور کی رنگا رنگی بھی شاعر کی دسترسِ فن کی گواہ ہے۔ یہاں عشقِ رسول ہجرِ مدینہ کا کرب دیدِ مدینہ کی آرزو وصال کی تمنا سب کچھ موجود ہیں لیکن ایک انفراد کے ساتھ۔ حضرت مجیب شعر کہتے وقت مناظرِ فطرت کا بھی سہارا لیتے ہیں اور تلمیحات وتشبیہات سے بھی کام لیتے ہیں۔ ان کے یہاں استعاروں کی چمک دمک بھی نظر آتی ہے۔ حضرت مجیب کے عشقِ رسول کو سمجھنے کے لیے یہ اشعاد یکھئے:

اے مرے دل پریشاں ہے کیوں اس قدر
تیری بگڑی بنانے حضور آ گئے

لے کے تحفہ عنایات واکرام کا
ناز کرائے زمانے حضور آ گئے

☆

ہو گئے جس دم تبسم ریز میرے مصطفٰے
کھل اٹھا رنگِ چمن پھولوں کو رعنائی ملی
جستجو کرتے ہوئے پہنچی جو میری زندگی
بارگاہِ مصطفٰی میں میری تنہائی ملی
مرے سرکار کی خندہ لبی کے
ستارے استعارے بن گئے ہیں

☆

مصطفٰی صلی علیٰ لکھوں سرِ قرطاسِ دل
اور پھر ہر سانس پر بارِ دگر لکھتا رہوں
مصطفٰی کا عشق کیا ہے مصطفٰی کا ذکر کیا
کوئے بے خوابی ہو اور میں رات بھر لکھتا رہوں

☆

یہ اشعار دیکھئے اور فیصلہ کیجئے کہ کیا کوئی بغیر جذبۂ عشقِ رسول کے ایسے اشعار کہہ سکتا ہے۔میری نظر میں تو قطعی نہیں ۔ان اشعار میں جذبوں کا جو آبشار رواں ہے وہ بغیر سچے عشقِ رسول کے ممکن ہی نہیں ۔

مدینے سے دلی لگاؤ اور جذباتی وابستگی ہر مومن اور ہر عاشقِ رسول کا شیوہ ہے۔حضرت مجیب بھی اس ضمن میں کسی سے کیسے پیچھے رہ سکتے تھے۔انھوں نے بھی اپنی نعتوں میں مدینے سے اپنی وابستگی کا والہانہ اظہار کیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ مدینے کی اہمیت وعظمت سے دنیا کو روشناس کرانے کی کامیاب سعی بھی کی ہے۔ یہاں ہجرِ مدینہ کا کرب بھی ہے اور وصلِ مدینہ کی آرزو کے جگنو بھی پورے آب وتاب سے روشن ہیں۔

اثاثہ نکہتِ طیبہ کے بھر کے دامن میں
ہوئیں ہوائیں غریب الدیار ان کے لیے
پہنچ گیا جو مقدر سے ان کی گلیوں میں
تو میں کروں گا زیارت درود پڑھتے ہوئے
طائرِ فکر مدینے میں پہنچ کر اکثر
دیکھتا ہے کبھی دیوار کبھی چھت ان کی
جنت سے ادھر جو کہیں ملنے کی نہیں ہے
بنتی ہے وہ پھولوں کی قبا آپ کے در سے

پہچان عطا کی ہے اسے آپ نے آ قا
ہے برگِ حنا برگِ حنا آپ کے در سے
مہتاب نے پایا ہے جمال آپ کے صدقے
پائی ہے ستاروں نے ضیا آپ کے در سے

اللہ تعالیٰ قرآنِ پاک میں فرماتا ہے: ان اللہ و ملائکۃ یصلّون علیٰ النبی یا ایھا الذی آمنوصلّو علیہ وسلّمو تسلیم(بیشک اللہ اور اس کے فرشتے نبی (علیہ السلام) پر درود پڑھتے ہیں۔اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود وسلام بھیجو)۔اس واضح حکم کے بعد کوئی کافر ہی ہوگا جو ہمارے آقا و مولا مدنی تاجدار، صاحبِ عزووقار سید مکی مدنی احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ پر درود وسلام نہ بھیجے۔حضرت مجیب اس رمز سے بخوبی واقف ہیں۔وہ والہانہ اور مسلسل اپنے آقا و مولا پر خود بھی درود بھیجتے ہیں اور مومنوں کو بھی اس کی تلقین کرنے میں پیچھے نہیں رہتے۔یہ اشعار دیکھئے:

بھٹک رہا تھا کہیں دشت نامرادی میں
ملی خیال کو رفعت درود پڑھتے ہوئے
ہنر سے، قوتِ بازو سے مل نہیں سکتی
ملے گی دولتِ شہرت درود پڑھتے ہوئے
خموش تھا تو کوئی پوچھتا نہیں تھا مجھے
بڑھا ہے دستِ رفاقت درود پڑھتے ہوئے

حضرت مجیب کے کچھ اور نعتیہ اشعار پیش کرتا ہوں۔ان اشعار میں ان کی رفعتِ پرواز، ان کا لہجہ، ان کا طرز بیاں اور ان کی انفرادیت دیکھئے۔

درود پاک کے اعجاز سے نہیں واقف؟
مرے مکاں کو ملی چھت درود پڑھتے ہوئے
عالمِ حسن ہے رخسارِ مقدس پہ نثار
حیرتی آئینہ ہے دیکھ کے صورت ان کی
طائرِ دل خوش ہوا ہے کس قدر میرا نہ پوچھ
سرورِ کونین کے باغِ ثنا کو دیکھ کر
درود پڑھتی ہیں سرسبز وادیاں ان پر
رواں دواں ہیں سبھی آبشاران کے لئے
اثاثہ نکہتِ طیبہ کا بھر کے دامن میں
ہوئیں ہوائیں غریب الدیاران کے لئے
انہیں کے واسطے اثمارِ زندگی پہ بہار
کئے ہیں باغوں نے سولہ سنگھاران کے لئے

میں زیادہ مثالیں اس لئے نہیں دے رہا ہوں کہ پھر آپ کے لئے کیا رہ جائے گا۔وگرنہ حضرت مجیب کا سارا کا سارا کلام مثال میں پیش کئے جانے کی خوبی کا حامل ہے۔حضرت مجیب کی نعت نگاری کے کئی ایسے گوشے ابھی بھی تشنہ ہیں، جن پر سیر حاصل گفتگو ہونی چاہئے لیکن مضمون طویل ہوتا جا رہا ہے اور میں آپ کے صبر کا امتحان نہیں لینا چاہتا اس لئے نعت کی بات یہیں پر ختم کر کے مناقب پر اختصاراً کچھ کہنا چاہتا ہوں۔

نعت نگاری کی طرح منقبت نگاری بھی بغیر جذباتی وابستگی کے ممکن نہیں۔جب تک ہم خدا کے محبوبین کی عظمت کو تسلیم نہیں کریں گے، جب تک ان کے عشق کی بارگاہ میں اپنے دل کا گوہر پیش نہیں کریں گے، جب تک اولیاء اللہ کے سچے عقیدت مند نہیں ہوں گے ہم دو مصرعے تو موزوں کر لیں گے لیکن وہ منقبت نہ ہو کر اور ہی کچھ ہوگا۔منقبت کہنے کے لئے متذکرہ بالا باتیں از بس ضروری ہیں۔حضرت مجیب کی منقبتوں کا مطالعہ بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہے۔کیونکہ یہاں بھی حمد و نعت کی طرح عشق بزرگاں کے دریا اور ادب و احترام سوتے جاری ہے۔ساتھ ہی ساتھ ہنر و فن کی پاسداری بھی ہے۔جس نے سونے پہ سہاگہ کا کام کیا ہے۔

حضرت مشکل کشا مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی مدحت میں شعر کہتے ہوئے دیکھئے حضرت مجیب کس طرح گویا ہوئے ہیں۔

تاجِ کمال کنز عطا میرے ساتھ ہے
فیضِ نگاہِ شیرِ خدا میرے ساتھ ہے
روشن ہیں میرے ہونٹوں پہ مدحِ علی کے پھول
موجِ خرام بادِ صبا میرے ساتھ ہے

سیدۃ النساء فاطمہ زہراؓ کی بارگاہ میں خراجِ عقیدت ملاحظہ فرمائیں:

ترے حجاب کی عظمت کو جاننے کے لئے
تمام رمزِ جہاں بے نقاب ہیں زہرا
مہک رہی ہے گزرگاہِ زندگی اب تک
ہیں تیرے نقشِ قدم یا گلاب ہیں زہرا

سیدنا امام حسن علیہ السلام کی بارگاہ میں پیش کئے جانے والے ان اشعار پر بھی نظر ڈالتے چلئے۔

جب سوالی ہمارے لبِ خشک ہوں
جامِ کوثر پلانا امامِ حسن
سوکھے ہونٹوں نے پکڑے تمہارے قدم
سن کے شہرہ تمہارا امامِ حسن

حضرت امام حسن علیہ السلام کا ذکر ہو اور امام حسین علیہ السلام کا ذکر نہ ہو یہ عاشقوں سے کب ممکن ہے۔ حضرت مجیب بھی ان سے الگ نہیں۔

ہے ذرہ ذرہ غیرتِ خورشید و ماہتاب
بڑھ کر ہے آسمان سے کوچہ حسین کا
خوشبوئیں پھوٹنے لگیں میرے خیال سے
کاغذ پہ میں نے نام جو لکھا حسین کا
دیتا تھا صاف دھوکا نگاہوں کو یا حسین
باطل کے رخ سے آپ نے پردہ ہٹا دیا
میرے خیال کے سارے دریچے سب در و بام
حسین تیرے تصور سے جگمگاتے ہیں

تاجدارِ بغداد حضور سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کی بارگاہ میں پیش کیے جانے والے یہ اشعار دریچۂ دل میں سجانے کے لیے کافی وافی وشافی ہیں۔

جو دیکھا ترا نقشِ پا غوثِ اعظم
تو خم ہو گیا سر مرا غوثِ اعظم
جو سیراب رکھے مری کشتِ جاں کو
وہ ابرِ عطا ہے ترا غوثِ اعظم

تاجدارِ اجمیر سیدنا معین الدین اجمیری غریب نواز علیہ الرحمۃ والرضوان کی مداح کا یہ انداز بھی کم نہیں ہے۔

زمانے بھر کے امیروں کو بھیک دیتا ہے
جسے نواز دیا تو نے یا غریب نواز
کہیں نہ جاؤں گا تیری گلی سے، دَر سے ترے
میں تیرا منگتا ہوں، تیرا گدا غریب نواز
مری نگاہ نے ہندوستان دیکھا ہے
کہیں ملا نہ مگر دوسرا غریب نواز

صابر پیا کلیر شریف کی بارگاہ میں پیش کیے گئے یہ اشعار بھی خوب ہیں:

ستاروں کو سکھائے مسکرانا
تری خندہ لبی مخدوم صابر
صبا لے آیے جو خوشبو تمہاری
کھلے دل کی کلی مخدوم صابر

حضرت بو العلیٰ اور خواجہ حسین علیہ الرحمۃ والرضوان کی بارگاہ میں یہ نذرانہ دیکھیے اور حدیقۂ دل کو خوبصورت پھولوں سے سجایئے:

چاند کی اٹکھیلیوں کو دیکھ کر ایسا لگا
سیکھ لی ہے اس نے بھی طرزِ ادائے بو العلیٰ
آئینہ لغزشوں کا ہے ہماری ذات
اور سراسر مروت ہیں خواجہ حسن
جس کو سجدہ کریں میری بیتابیاں
دل میں بیٹھی وہ مورت ہیں خواجہ حسن

اب بات آتی ہے سید الاصفیا حضور خواجہ نواب علی شاہ صاحب علیہ الرحمۃ والرضوان کی جو حضرت مجیب کے والد گرامی مرتبت بھی ہیں اور مرشدِ بیعت بھی۔ حضرت مجیب کو اپنے مرشدِ بیعت سے والہانہ عشق تھا، ہے اور رہے گا۔ ان کے شب و روز حضرت نواب شاہ کے ذکر سے روشن و تاباں ہیں۔ ان کی ہر سانس اپنے مرشدِ بیعت عاشقِ رسول خواجہ نواب علی شاہ علیہ الرحمہ کی تعلیمات پر عمل پیرا ہے۔ دیکھئے وہ کس طرح اپنے والد گرامی یعنی اپنے پیرِ بیعت کا ذکر کرتے ہیں:

کیا مری نظروں کو بھائے حسن کا پیکر کوئی
میں ازل کے دن سے ہوں شیدا شہہِ نواب کا
یادگارِ خواجۂ اجمیر ان کی ہر ادا
اسوۂ غوث الورائی اسوہ شہہِ نواب کا
نورعینِ فاطمہ، چشم و چراغِ مرتضٰی
کوئی پا سکتا نہیں پایہ شہہ ِنواب کا
ابرِ باراں ہے دشتِ وحشت میں
تری چشمِ کرم شہہِ نواب
خم مقدر کا دور کرتا ہے
تیری زلفوں کا خم شہہِ نواب

ان اشعار پر بلا تبصرہ بات ختم کرتا ہوں۔ میری دعا ہے کہ "بامِ ایجاب" بامِ قبول کو چومے۔ ہر نفس اقبال مندیاں شاعرِ ممدوح کے قدم میں لوٹیں۔ عَلم و فضل وکمال کی نت نئی منزلیں حضرت مجیب نوابی سے ہم آغوشی کا شرف حاصل کریں۔ میں کیا میری دعاؤں کی حیثیت کیا کہ میں خود حضرت مجیب اور ان کے برادرانِ گرامی مرتبت کی دعاؤں کا محتاج ہوں لیکن دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے کے مصداق میں نے اپنی دلی تمناؤں کا اظہار کر دیا۔ شاید کہ میرے یہ الفاظ منزلِ اجابت سے ہمکنار ہو جائیں اور روزِ حشر پیشِ ربِ محشر شناخت کے لیے میرے کام آئیں۔

☆☆☆

شمائلہ صدف عزیزی (پاکستان)

مجیب نوابی کا بامِ ایجاب

قلم و قرطاس کی حرف و احساس سے رفاقت بہت پرانی ہے۔ جب سے ابنِ آدم کے دستِ ہنر نے قلم تھاما ہے تب سے کائناتی صداقتوں کو احساس کی لو دے کر نکھارنے اور انھیں بصورت قرطاس پر اتارنے والے اہلِ قلم ہی اہلِ حق و یقیں اور وقت کے امین رہے ہیں۔

اس کائنات کی سب سے بڑی صداقت توحید، اس صداقت کا خلاصہ محبت اور سب سے قیمتی محبت محبتِ صاحبِ لولاک ہے۔ یہی محبت محبتِ الٰہی کا مستحق بناتی ہے۔ جب یہ محبت انتہا کو پہنچ کر، جذبے کی آنچ پا کر اور حروف اوڑھ کر شعر کی صورت میں ڈھلتی ہے تو نعت کہلاتی ہے۔ دیگر افراد سے الگ ادراک و محسوسات رکھنے کی بدولت ایک شاعر کا بحرِ تفکر و تدبر ہمہ وقت متموج و متلاطم رہتا ہے۔ فن کے اس بحرِ بسیط میں غوطہ زن ہوتے ہی اس کی شمعِ فکر کا اجالا صدفِ مراد تک رہنمائی کرتا ہے اور ایسی تخلیقات وجود میں آتی ہیں جو ادبی افق پر شہہ پاروں کی صورت میں اپنی آب و تاب بکھیرتی ہیں اور رہروانِ ادب انہیں کی مدد سے اپنی سمت کا تعین کرتے ہیں۔

یوں تو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب لبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ کہہ کر فنِ شعر کی نفی فرمائی "وَ ماَ عَلَّمنَہُ الشّعر"

اس نفی کی چند وجوہات تھیں ایک تو یہ کہ وَ مأیَنبَغِی لَہٗ شاعری نبی کریم رؤف الرحیم کے علوئے مرتبت اور شانِ رسالت کے منافی ہے۔ اور دوسرا کفار کے اس قول "بَـل هُـوَ شاَعِر" کی نفی مقصود تھی۔ اللہ تعالیٰ نے فنِ شاعری میں در آنے والی قباحتوں کی طرف اشارہ کر کے کچھ شرائط صالح کی موجودگی میں شعر و شعراء کے لئے ان الفاظ کے ساتھ راہِ جواز عطا فرمائی۔ "اِلَّا الَّذِینَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰت وَ ذَکَرُوا اللّٰـه کَثِیراً" (سوائے ان کے (شعراء) جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتے رہے) یعنی اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدح خواں بن گئے اور اپنے کلام کے ذریعہ اسلام اور مظلوموں کا دفاع کیا بلکہ ان کا جوش بڑھایا تو یہ شاعری مذموم نہیں۔ گویا شاعری کو راہِ مستقیم مل گئی۔ مبالغے کی حد پھلانگتی ہوئی کذب بیانی، فحاشی پر تفاخر، اور نسلی عصبیت کا ذکر وغیرہ حرام قرار دیا گیا، فکر و خیال عفت و نظافت، مضامین کو ثقاہت و متانت اور الفاظ کو تعظیم و تکریم کا جامۂ خوش رنگ عنایت ہوا، قرآنی آیات و احادیث نے شاعری کی مزید تزئین کی اور شعر طہارت و تقدیس کے سانچے میں ڈھل کر مذموم ہونے کی بجائے محمود ٹھہرا۔

تقدیسی شاعری کی تاریخ بہت طویل ہے۔ جب ہم شہرِ تقدیس کا دریچۂ سخن وا کرتے ہیں تو سب سے پہلے جس شخصیت کا شعر عقیدتِ قلب و روح کی گہرائیوں میں جلوہ افروز ہوتا ہے وہ ہیں عَمِ نبی حضرت ابوطالب۔

"وابیض یتسقی الغمام بوجهه ثمال الیتامیٰ عصمۃللارامل"

(آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے خوش جمال ہیں جن کی برکت سے ابر پانی برساتا ہے، جو یتیموں کے لئے جائے پناہ اور بیواؤں کا پردہ ہیں۔ لیکن اسلام میں تقدیسی شاعری کی باقائدہ ابتدا ہجرتِ مدینہ کے بعد ہوئی۔

جب کفار قریش نے ہجو گوئی اور اقاویل باطلہ کے ذریعہ اسلام اور رسولِ اسلام علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام کی شانِ اطہر میں گستاخی کی جرأتِ قبیحہ کی تو ضروری تھا کہ ان کے جواب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کے ممادح اور محامد بصورت شعری بیان کر کے کفار کی ہرزہ سرائیوں کی کاٹ کی جائے، اس موقع پر شہہ ہر دوسرا کے جاں نثارِ صرف اشارے کے منتظر تھے۔ حضرت حسان بن ثابت نے جب اس بات کی اجازت طلب کی کہ کفار کی ہجو کے بدلے انھیں بھی ان کی ہجو کی اجازت دی جائے تب شاہِ کون و مکاں نے اس روح پرور و پر کیف دعا سے حضرت حسان کو شعر کہنے کی اجازت مرحمت فرمائی: الھم ایّدہُ بِروحِ القُدُس ۔ اے اللہ روح القدس کے ذریعہ اس (حسان بن ثابت) کی مدد فرما۔ یہ تھی اسلام شاعری کی اولین اجازت اور یہ تھا تقدیسی شاعری کا باقائدہ آغاز۔

پھر یہ سلسلہ حسان بن ثات، کعب بن مالک، عبداللہ بن رواحہ اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین سے ہوتا ہوا ابوالاسود، امام ابوحنیفہ، امام شافعی، بوصیری، ابن عربی، ابن خلدون، عرفی، جامی اور رومی وغیرہ ہم تک پہنچا تو تقدیسی شاعری تصوف کی حسین آمیزش سے اسرار روحانی اور وارداتِ قلبیہ کے ایسے منظر نامے کی صورت اختیار کر چکی تھی جس سے محبت خدا اور سول کی انتہائی کیفیات کا انعکاس ہوتا تھا حتیٰ کہ جب یہ تقدیسی شاعری صدیوں کا سفر طے کر کے برصغیر میں پہنچی تو انتہائی عروج کو پہنچ چکی تھی اور مختلف اصناف مناجات، حمد، نعت، مناقب، سلام وغیرہ کی صورت میں اپنی شناخت بنا چکی تھیں۔ اور یہ تمام اصناف باہم مربوط اور کتاب حق

بیاں قرآن مجید سے ماخوذ تھیں۔

حمد کا ثبوت ''اَلحَمدُلله ربّ العٰلَمین ''نے دیا۔

مناجات کا اسلوب ''اِیاکَ نَعبُدُواِیاكَ نَستَعِین'' سے ملا

نعت پورے قرآن کے مجموعی اسلوب اور'' وَاَمّـا بِـنِـعـمَةِ رَبّکَ فَحَدِّث '' سے ثابت ہوئی۔

مناقب کا جواز ''صِـراطَ الَذینَ انعَمتَ عَلیَھم ِ '' کی آیت اور قرآن میں جابجا ذکرِ مقبولین بارگاہ سے ملا۔

اور سلام کا حکم ''وَسَلِّموا تَسلیماً '' کی آیت سے ماخوذ ہوا۔

ان پاکیزہ ومطہر اغراض شعری نے کائناتِ فکر کو جلا بخشی، طائرِ تخیل نورانی افلاک اور وجدانی فضاؤں میں اڑان بھرنے لگا، اڑان مستحکم ہوئی تو نت نئے آفاق کی تلاش میں نکلا، شعر تقدیس کمالِ فن کی بلندیوں کو پہنچا اور آج تقدیسی شاعری بالخصوص نعت پر جس قدر تخلیقی، تنقیدی اور تحقیقی کام ہو رہا ہے وہ لائقِ افتخار ہے۔ مجموعہ ہائے نعت، مقالہ جات' نعتیہ جرائد و رسائل، نعت اکاڈمیز اور لائبریریز کی تعداد باعثِ مسرت وطمانیت ہے۔ بلاشبہ ہمارے لئے باعثِ عز و وقار ہے کہ عظمت وشکوہِ نعت کے لئے ہمارے عہد کا انتخاب ہوا اور ایسے لوگ ظاہر ہوئے جنہوں نے اپنی قدراتِ علمیہ اور اپنا زورِ سخن اسی باب میں وقف کر دیا۔

انہی میں سرِ فہرست ہے خانقاہ نوابیہ عزیزیہ کہ جس کے بانی مبانی قطب الاقتاب حضرت صوفی سید نواب علی شاہ حسنی عزیزی ابوالعلائی (قدس سرّہ) ہیں۔ آپ کی شخصیت رشکِ آفتاب سے چمک کر کتنے ہی مہتاب نہ ڈوبنے کے لئے ابھرے اور سپہرِ سلوک کی زینت بنے۔ آپ کے درِ کرم بار سے تشنگانِ علوم نے جامِ عرفاں' متلاشیانِ حق نے رہِ احساں اور رہروانِ معرفت نے منزلِ قرب پائی۔

اس خانقاہِ پر تصوف اور سخنوری کے نتیجے میں وجود میں آنے والا تقدیسی ادب اپنی خاص چاشنی اور انفرادیت کے سبب اپنی مثال آپ ہے۔ شعرِ عقیدت کے استحکام و فروغ اور اسے جدید شعری تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے میں اس خانقاہ کی قابلِ قدر تحریک لائقِ ستائش و افتخار ہے۔ بلاشبہ خانوادۂ حضرت نواب نے عالمِ حرف ونوا کو شعرِ تقدیس کے ایک ایسے جہانِ نو سے متعارف کرایا ہے جہاں فکر و فن کی ہنروری اور روایات کی پاسداری کے ساتھ ساتھ بطریقِ اکمل جدیدیت کی کارفرمائی نے تقدیسی شاعری کو شہکارِ سخن بنا دیا ہے:

رحمتوں کا سلسلہ اچھا لگا
یعنی ذکرِ مصطفیٰ اچھا لگا
حضرتِ نواب کے در پر مجیب
دور دورہ نعت کا اچھا لگا

حضرت صوفی سید نواب علی شاہ علیہ الرحمہ کے بڑے صاحبزادے استاذ الاساتذہ، منبع' علوم وحکم، وارثِ فیضِ نبوت وولایت حضرت صوفی سید محمد عزیز الحسن شاہ نوابی لیاقتی حسینی عزیزی (دام ظلہ) ایک مردِ حق آگاہ اور ولیٔ کامل ہونے کے ساتھ ساتھ اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شاعری پر دسترسِ تامہ رکھتے ہیں' نیز آپ ہی خانقاہِ نوابیہ کے روحانی وادبی ماحول کے روحِ رواں ہیں۔

حضرت صوفی سید نواب علی شاہ علیہ الرحمہ کے منجھلے صاحبزادے ادیبِ شہیر' شاعرِ طرح دار' نابغۂ فکر وفن حضرت سید نور الحسن نور نوابی عزیزی (دام ظلہ) ہیں جن کی عبقری شخصیت کا شہرہ طول وعرض میں پھیل چکا ہے۔

آپ کے چھوٹے صاحبزادے مہتابِ بزمِ سخن' شاعرِ ذی قدر جناب سید مجیب الحسن نوابی عزیزی (دام عزہ) ہیں جو بے مثال سخن فہمی وسخنوری کی بدولت حلقۂ شعرا وادبا میں خاصی مقبولیت رکھتے ہیں۔ دردمند دل' متبسم چہرہ اور دل آویز ومتین شخصیت (گہری شخصیت کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا) رکھنے والے اعلیٰ تعلیم یافتہ حضرتِ مجیب اپنے اسلاف کی روایات کے امین ہیں۔ حبِ خدا اور رسول اور مودتِ اہلبیت انھیں گھٹی میں ملی ہے' نجابت وسیادت آپ کا اثاثہ اور ذہانت و فطانت آپ کے گھر کی کنیز ہے۔ شعر وادب بالخصوص تقدیسی شاعری کا ذوق آپ نے ورثے میں پایا ہے۔

آپ کی دینی تعلیم کا آغاز گھر سے ہوا۔ اردو کی تعلیم اپنے برادرِ اکبر حضرت سید نور الحسن نور نوابی عزیزی سے حاصل کی۔ طبیعت موزوں تو تھی ہی لہٰذا شعر کہنے لگے۔ استادِ گرامی قدر کی تربیت وشفقت کے سائے میں کشتِ شعر وادب سے بطریقِ احسن خوشہ چینی کی اور وادیٔ سخن کی منازلِ مہمہ اس ذوق سے طے کیں کہ ادب کا چپہ چپہ ان کی آہٹوں کا گواہ بن گیا۔ پھر وہ رحمت کے چمنستانوں میں گھرے ہوئے تقدس مآب شہرِ عقیدت میں پہنچے تو وہیں مکین ہو گئے اور حمد مناجات' نعت' منقبت اور سلام جیسے متبرک اشغال کے صدقے ان کی ظاہری اور باطنی شخصیت کو مزید نکھار عطا ہوا۔ اسی دوران اسکول سے کالج منتقل ہوئے اور جمیع تعلیمی مراحل امتیازی حیثیت سے پاس کرتے ہوئے سافٹ ویئر انجینئر بن گئے۔ نعت ومناقب کی شاعری کا سلسلہ بھی جاری وساری رہا۔

حتیٰ کہ وہ ساعت سعید آ گئی جب استاد گرامی قدر کی حوصلہ افزائی اور اصرارِ مسلسل کے ثمرات کے طور پر یہ مژدۂ مسرت فزا سننے کو ملا کہ جناب مجیب الحسن کا مجموعہ کلام ''بامِ ایجاب'' بہت جلد اشاعت کی منزلِ مسعود کو پہنچنے والا ہے۔ اور جب اس مجموعۂ نعت ومناقب کا مسودہ میرے سامنے آیا تو سب سے پہلے اس کے نام کی لطافت نے مجھے اپنے سحر میں جکڑ لیا، واہ سبحان اللہ۔ شاعر ممدوح اور ان کے مجموعۂ کلام کے اسماء کے مابین جو لطیف قسم کی لفظی ومعنوی مناسبت ہے وہ بیان سے باہر

ہے۔ ''محمد مجیب الحسن'' اور ''بام ایجاب'' مجیب، ایجاب مصدر سے اسم فاعل ہے جس کے کئی معانی ہیں مثلاً جواب دینا، قبول کرنا، تسلیم کرنا وغیرہ۔ ان سب معانی کے آئینے میں جب ہم مجیب کی شخصیت کو دیکھتے ہیں تو اطاعت گزاری' فرماں برداری، تسلیم ورضا اور علومِ ظاہری و باطنی کا انجذاب جیسے اوصافِ جلیلہ عکس در عکس نظر نواز ہوتے ہیں۔ ''مجیب الحسن'' یعنی ہر اچھی بات اور خصلت قبول کرنے والے اور ''بام ایجاب'' یعنی مجیبِ حقیقی کے حضور التجاؤں کی قبولیت کا مظہرِ صادق۔

بام ایجاب میں جذبات کا ترفع، اور ان رفیع جذبات کے اظہار میں تنوع، جدت، خوش سلیقگی اور تہذیب وترتیب قابلِ ستائش وتحسین بھی ہے اور باعثِ طمانیت وتسکین بھی۔ بہت بڑی بات بھی کمالِ سہولت سے کہہ جانا ہر کسی کے بس کا کام نہیں۔ خصوصاً مقامِ رسالت پر بات کرنا کہ یہ نعت کا ایسا پہلو ہے جسے نبھاتے ہوئے بڑے بڑوں کا پتہ پانی اور رنگ دھانی ہو جایے۔ مگر آپ یہ پل صراط بھی نہایت عمدگی' سبک روی اور خوش خرامی سے پار کرتے ہیں کہ شریعت کی پاسداری اور عشق کی سرشاری کمال ہوشیاری سے ہم دوش رہتے ہیں کیونکہ جب آپ کا تخیل زمان ومکان کی مسافت طے کر کے بارگاہِ نبوی تک رسائی پاتا ہے تو آپ اپنے رخشِ تصورات کی لگام تھام کر رکھتے ہیں یہی وہ حزم واحتیاط کی ادا ہے جو شاعرِ نعت کو عالمِ جوش میں ہوش سے بیگانہ نہیں کرتی ہے۔

جاتا ہوں بارگاہِ نبی میں جھکائے سر
رخشِ تصورات کی تھامے ہوئے لگام

مجیب الحسن کی شاعری میں جذب کا ایک خاص رنگ جلوہ گر دکھائی دیتا ہے۔ آپ کے اشعار وقت کی ان دیکھی ظالم سرحدوں کو عبور کر کے قاری کو اوج وعروج کے اسی جگمگاتے دور میں لے جاتے ہیں جہاں مدینہ کی پرامن، ترقی یافتہ اور منور ریاست میں آفتابِ رسالت کی جلوہ گری پر کائناتِ عالم نثار و دل فگار دکھائی دیتی ہے۔ آپ کی شاعری میں جلوہ گر عہدِ رسالت کی تابشیں، جلوۂ نبوی کی امین صبحیں' وجودِ مصطفیٰ سے مہکی شامیں، اہلِ بیت اطہار کی فضیلتیں اور ان کی کامرانی کی شاہد ساعتیں عہدِ حاضر کے لئے توانائی بخش دوا اور نسخۂ شفا ہیں۔ آپ نے ماضی کے سنہری ایام کو حال کے قرطاس پر رقم کر کے مستقبل کی شادمانی کی نوید سنائی ہے اور سیرتِ رسول وآلِ رسول ہی کو ترقی وفلاح کے حصول اور پستی وذلت کے عفریت سے نجات کا ذریعہ بتایا ہے۔

زندگی کے راستے میں ہم بھٹک سکتے نہیں
ہم سفر کرتے ہیں ان کے نقشِ پا کو دیکھ کر
کی آپ نے ہی راہ نمائی مرے آقا
اللہ کو پایا بخدا آپ کے در سے

دنیا نے جسے گنبدِ بے در میں کیا قید
ملتی ہے اسے تازہ ہوا آپ کے در سے
سنتِ آقا نہیں پیشِ نظر؟
پھر تو تیرا ہر عمل بیکار ہے
رہنمائی کر رہے ہیں مصطفیٰ
کیا ہوا جو راستہ دشوار ہے
تلاطم خیز بحرِ زندگی میں۔ درودوں کو سفینہ کر لیا ہے
جو راہِ مصطفیٰ کی خاک پائی۔ اسے اپنا لبادہ کر لیا ہے

نعت دراصل حضوری بارگاہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ نبیٔ اکرم نے حضوری کی تعریف یہ کی کہ ''تو نماز اس کیفیت سے پڑھ گویا تو خدا کو دیکھ رہا ہے''۔ گویا حضوری کی ابتدا تصور ہے۔ تصور کب حقیقت کا روپ دھار کر بابِ رحمت کو وا کر دے کسے ادراک؟ حاضری کب حضوری میں ڈھل جائے' کسے خبر؟ یہ تو داتا کی دین ہے جسے ملے' یہ تو کریم کی نگاہِ تلطف ہے جس پر پڑے۔ ایک شاعرِ نعت ہمہ وقت تصوراتِ مطہرہ میں گم رہتا ہے۔ اس کے جذباتِ صادقہ' ہجر کی آہیں اور نالے اور حاضری کی تمنائیں' التجائیں اور دعائیں جب قریۂ دل سے نکل کر لبوں تک اور لبوں سے بامِ ایجاب تک پہنچتی ہیں تو حضوری کی پیامبر بنتی ہیں۔ اس کا ہمہ دم تصورِ طیبہ میں رہنا حضوری ہی تو ہے۔ سراپائے احمدِ مختار صلی اللہ علیہ وسلم کو تخیل میں لانا حضوری ہی تو ہے' دیارِ طیبہ کے ذرہ ذرہ کو تصور کی پلکوں سے بہارنا حضوری ہی تو ہے۔ حتیٰ کہ وہ مقام آتا ہے کہ اسے کائنات کے ذرے ذرے میں پوشیدہ حسن میں سرورِ کائنات کا جلوۂ مبیں نظر آتا ہے اور اس کے عشق کی رسائی قاسمِ نعم تک ہو جاتی ہے۔ جس نے اللہ کی عطا سے کنزِ حسن وجمالِ کل کائنات کو تقسیم کیا' بابِ ایجاب کے بیشتر اشعار اسی کیفیت کے مظہر ہیں:

ہو گئے جس دم تبسم ریز میرے مصطفیٰ
کھل اٹھا رنگِ چمن پھولوں کو رعنائی ملی
ترے روئے منور کی ضیا سے
قمر نے استفادہ کر لیا ہے
یہ ذراتِ مدینہ کا ہے صدقہ
جو اتنا نور ہے شمس وقمر میں
تری خوشبو سے اے گلزارِ طیبہ
معطر ہے بدن بادِ صبا کا
خدا نے ان کے لیے کائنات کی تخلیق کی
ہر ایک نقش بنا شاہکار ان کے لیے

غیر ممکن ہے کوئی ذرہ بھی تشنہ رہ جایے
اتنی محدود نہیں موجِ سخاوت ان کی

شاعری ہم عصر تقاضوں اور اطوار سے ہم آہنگ ہو تو زندہ شاعری کہلاتی ہے۔ کیونکہ آنے والے ادوار کے لوگ بہت حد تک شاعری سے کسی عہد کے لوگوں کی ترجیحات وافکار اور رجحانات تک رسائی پاتے ہیں ۔ یہ دور جدیدیت کا دور ہے' قدامت پسندی کا زور ٹوٹ چکا مگر جذبۂ محبت وہی ہے، محبوب وہی ،تڑپ وہی ،ہجر و وصال وہی ،آرزوئے حضوریِ دیار وہی ، کیونکہ جذبات کی یہ ہماہمی قدامت نہیں فطرت ہے۔ قدامت اور فطرت تو اظہار کے طریق میں ہوتی ہے۔ ایسے شعراء کی بھی کمی نہیں جو جدت کی خاطر نعت کا تقدس ہی پامال کر بیٹھے اور وہ بھی ہیں جو کہنہ روایات کو سینے سے لگائے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے رہے مگر عصری رجحانات کے فقدان اور عدم توازن کی وجہ سے ان کا شعر اپنا مقام ومرتبہ نہ منوا سکا۔ جناب مجیب الحسن کی شاعری اس لحاظ سے بھی منفرد ہے کہ وہ جدیدیت سے ممتزج ہے۔ جدید تراکیب' استعارات وتشبیہات میں جدت نیز اظہارِ فکر کے جدید پیرائے کی بدولت آج ان کا شمار ہندوستان کے پائے کے شعرا میں ہوتا ہے۔ چند جدید اشعار ملاحظہ کیجئے:

رحمت کا رنگ زار کا جود و نوال کا
ہر گام پہ جو نصب ہے خیمہ اسی کا ہے
نعت نے بخشا نہیں اس کو مکاں
ذہن اب بھی بے در و دیوار ہے
اثاثہ نکہتِ طیبہ کا بھر کے دامن میں
ہوئیں ہوائیں غریب الدیاران کے لیے
طائرِ فکر مدینے میں پہنچ کر اکثر
دیکھتا ہے کبھی دیوار کبھی چھت ان کی
جذب کر لے گا حرارت اپنے سینے میں مجیب
آفتابِ حشر بھی ان کی ردا کو دیکھ کر
ذرہ ذرہ نبی کے درِ پاک کا
نازشِیں اوجِ برجیس و کیواں ہوا

بامِ ایجاب میں نعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد شعر تقدیس کی جو قسم غالب نظر آتی ہے وہ ہے منقبت۔ منقبت تقدیسی شاعری کا جزو لاینفک ہے۔

منقبت کا مادہ نقب ہے' منقبت کا مطلب ہے عزوافتخار فعل ،کوئی شخص جب اوصافِ حمیدہ اور اخلاقِ جمیلہ کی وجہ سے مشہور ہو تو یہ اوصاف منقبت کہلاتے ہیں اس کی ضد مثلبہ ہے۔ منقبت اچھے خصائل کو جبکہ مثلب عیوب ونقائص کو کہتے ہیں ۔منقبت کی جمع مناقب ہے۔ صلحاء کے میزات وفضائل شعری ونظری صورت میں ذکر کرنا منقبت نگاری کہلاتا ہے۔ یعنی ان مردانِ خدا کے تذکار کہ جن کی اطاعت' زہد وورع اور فضل وکمال نے عالمِ کون ومکاں اور ماورائے مکاں کو روشن ودرخشاں کیا ہے۔ ان کی شب خیزیوں کی چمک صبح روشن کو،ان کے تقویٰ کا لباس خلعتِ شاہی کو اوران کے سجدے عالمِ ریاضت کو خیرہ کرتے ہیں'ان کے سرخیل اہلِ بیت اطہار ہیں انہیں میں اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ،اولیاء وصالحین بھی مفلحین کی اسی جماعت سے ہیں۔

قرآن وحدیث میں صالحین کے تذکرے سے منقبت کے جواز کی جانب اشارہ ملتا ہے۔ بصورت شعر منقبت نگاری کا آغاز دورِ نبوی میں ہو چکا تھا۔ ابتدا میں شعرائے نعت نعتیہ قصائد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت کہنے کے ساتھ ساتھ آپ کے اہلِ بیت کی مدح وثنا بھی کرتے تھے۔ یعنی ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ ابتدأً نعت ومنقبت باہم مربوط تھے۔ دورِ خلفائے راشدین اور مابعد کے ادوار میں منقبت اہلِ بیت واصحابِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں مستقل قصائد لکھے جانے لگے۔ جب نعت نے فارسی اور پھر اردو پر نظر التفات کی تو نعت کے ساتھ ساتھ منقبت نگاری کا آغاز ہوا۔

بامِ ایجاب میں موجودہ مناقب شاعر ممدوح جناب مجیب الحسن نوابی کی فنِ مناقب گوئی میں تازہ کاری ، پختہ کاری اور ہنروری کی مظہر ہیں۔ آپنے اہلِ بیت اطہار کی شانِ اقدس میں ہدیۂ مناقب پیش کر کے انتہا درجے کی مودت وعقیدت کا اظہار کیا ہے۔ یہ عقیدت سطحی نہیں بلکہ ان کے ذہن وروح کی گہرائی میں اتری ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ بالخصوص جب وہ سیدہ کائنات کی بارگاہِ عفت ناز میں ہدیۂ نیاز پیش کرتے ہیں تو ان کے اشعار سے اٹھنے والی مودت کی مہک چمنستانِ ایمان کو معطر کرتی ہیں:

اے شہِ کونین کی لختِ جگر اے سیّدہ
رشک کرتی ہے حیا تیری حیا کو دیکھ کر
سیادتوں کا حسیں انتخاب ہیں زہرا
فضیلتوں کی مکمل کتاب ہیں زہرا
ترے حجاب کی عظمت کو جاننے کے لئے
تمام رمزِ جہاں بے نقاب ہیں زہرا
نقاب اٹھائے ہوئے ہے ترے جمال کی لو
نظر جھکائے سبھی ماہتاب ہیں زہرا
مہ ونجوم نقوشِ قدم کے روشن ہیں
علی ہیں محوِ سفر ہم رقاب ہیں زہرا

مولائے کائنات حضرت سید علی مرتضیٰ اور حسنین کریمین علیہم السلام کی

شان میں پیش کردہ مناقب کے چند اشعار پیشِ عقیدت ہیں۔

میں پڑھ رہا ہوں سیرتِ مولائے کائنات
اک کائناتِ عشق و وفا میرے ساتھ ہے
روشن ہیں میرے ہونٹوں پہ مدحِ علی کے پھول
موجِ خرامِ بادِ صبا میرے ساتھ ہے
مولا علی کے سایۂ رحمت میں جب سے ہوں
ہر اک قدم پہ ظلِ ہما میرے ساتھ ہے

دیکھ کر تیرا چہرہ امام حسن ۔ میں نہ دیکھوں گا دنیا امام حسن
دشتِ بے آب کہتا ہے آؤ چلیں۔ ہیں سخاوت کا دریا امام حسن

ہے ذرہ ذرہ غیرتِ خورشید و ماہتاب
بڑھ کر ہے آسمان سے کوچہ حسین کا
شبیر تیرے عزمِ جہانگیر کو سلام
تو نے سنا کی نوک پہ ہنس کر دکھا دیا
مایوسیوں کے شمر کو دے کر شکستِ فاش
تم نے تو دل میں شہرِ تمنا بسا دیا

بامِ ایجاب میں اولیائے عظام کی بارگاہ میں بھی مناقب پیش کی گئی ہیں جن میں حضرت عبدالقادر جیلانی، حضرت داتا گنج بخش، حضرت خواجہ غریب نواز، حضرت صابر پاک، حضرت امیر ابوالعلا، حضرت خواجہ حسن میاں اور حضرت صوفی سید نواب علی شاہ حسنی عزیزی ابوالعلائی علیہم الرحمہ شامل ہیں۔

جو سیراب رکھے مری کشتِ جاں کو۔ وہ ابرِ عطا ہے ترا غوثِ اعظم
عطا ہو ساغرِ عرفاں مجھے بھی۔ مٹا دو تشنگی مخدوم صابر
چاند کی اٹکھیلیوں کو دیکھ کر ایسا لگا۔ سیکھ لی ہے اس نے بھی طرزِ ادائے بوالعلی
کون پوچھے جو خالی ملے عکس سے۔ آئینے کی ضرورت ہیں خواجہ حسن
تیری آنکھوں کی طاق میں روشن۔ ہے چراغِ حرم شہہِ نواب
نورِ عینِ فاطمہ، چشم و چراغِ مرتضیٰ
کوئی پا سکتا نہیں پایہ شہہِ نواب کا

دعا ہے کہ جناب مجیب الحسن کا یہ پہلا پڑاؤ پیش قدمی کے لیے نئی منزلوں کا مشیر اور مزید کامیابیوں کا پیش خیمہ ہو۔ اور یہ محبت کا اظہار یہ سرمۂ چشمِ عشاق بنے۔ آمین بجاہ النبی الکریم الامین۔

☆☆☆

(بامِ ایجاب کا فنی جائزہ کا بقیہ)

میں بھی آسمانی نور نظر آنے لگے گا۔ صوفیائے کرام شاید اسی کو وحدت الوجود کہتے ہیں۔ مادّی نظر رکھنے والوں کو یہ لطیف باریک بینی سمجھ میں آنے سے رہی۔ اسی عارفانہ، صوفیانہ پراسرار باطنی حقیقت کو سمجھنے اور سمجھانے والے ہی صوفی صافی حضرات کہلاتے ہیں۔

بامِ ایجاب میں سے ایسے اشعار پیش کئے جاتے ہیں جن میں انسان کی بنائی ہوئی چیزوں کا شعری استعمال وافقی بصیرت افروز ہے۔ اس میں اگر شعریت آ جائے تو رنگِ تغزّل غیر حاضر ہو کر بھی جاذب توجہ ہے۔ اب بامِ ایجاب میں سے سید مجیب الحسن مجیب نوابی کے زیرِ بحث اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) بامِ ایجاب پہ پڑھتے ہوئے نعت
قافلہ شہرِ دعا کا پہونچا
(۲) جاتا ہوں بارگاہِ نبی میں جھکائے سر
رخشِ تصورات کی تھامے ہوئے لگام
(۳) پہنچ گیا جو مقدر سے ان کی گلیوں میں
تو میں کروں گا زیارت درود پڑھتے ہوئے
(۴) خدائے پاک مجھے تاجِ کامرانی دے
کروں گا نعت کی خدمت درود پڑھتے ہوئے
(۵) عالمِ حسن ہے رسارِ مقدس پہ نثار
حیرتی آئینہ ہے دیکھ کے صورت ان کی
(۶) خزاں کے دور میں جوان کو یاد کرنے لگے
تفصیل بن گئی ہے مجِبہاران کے لیے
(۷) خسرو بھی ہے جہاں کاسہ بکف۔ وہ مرے سرکار کا دربار ہے
(۸) جس کو سجدہ کریں میری بے تابیاں
دل میں بیٹھی وہ مورت ہیں خواجہ حسن

گویا خانقاہی صوفیانہ شاعری کی ہر دل عزیزی، تقدیسی روایات کی پاس داری، جدید شاعری کی انفرادیت، شعری محاسن کی کارفرمائی، عشقِ رسول کی غیر فانی نعمت، عارفانہ کلاموں کی رنگا رنگی، شاعر کی غلامانہ، مودبانہ، شاعرانہ، فلسفیانہ اور ملتجیانہ خود سپردگی کی مقناطیسی تاثر قاری کو مسحور کئے بغیر دم لینے کے نہیں۔

خلاصہ یہ کہ نعت گوئی نہ صرف تقدیسی شاعری کی روح رواں ہے بلکہ تہذیب و تمدن کا اوجِ کمال ہے۔ یہ عشق مزاجی کے جوہر اڑا کر اسے نقطۂ عروج تک پہنچاتی ہے۔ بامِ ایجاب میں عشقِ رسول کی پر کیف جلوہ سامانی حیات افروز ہے کیونکہ اس کا عظیم ترین جمالیاتی پہلو جوبن پر آیا ہوا ہے۔ دنیائے شعر و ادب میں "بامِ ایجاب" کی پزیرائی ہو گیا ور ضرور ہو گی۔ ☆☆☆

ڈاکٹرسیدغلام ربانی ایاز
ای۔اے۔سی کالونی
عقب ڈسٹرکٹ کورٹ
رائے پور۔چھتیس گڑھ۔492001

بامِ ایجاب کا فنی جائزہ

سید مجیب الحسن نوابی کا ''بامِ ایجاب''نعت ومناقب کا مجموعہ ہے۔اس کا عنوان اثر داراور فکر انگیز ہے۔اس کے گہرے نیلے رنگ کے سرورق پر بنے شش پہلو گوشے پوری کائنات کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔مصور آصف عزیزی نوابی کو مبارکباد۔شاعر نے اس مجموعۂ کلام کو برادرِ بزرگ حضرت عزیز الحسن شاہ نوابی سجادہ نشین آستانہ عالیہ نوابیہ قاضی پور شریف فتح پور ہسوہ (یوپی) کے نام نامی سے معنون کیا ہے۔شاعرِ موصوف کی عمر تیس سال ہے۔اچھے سوفٹ ویئر انجینئر ہیں اور ممبئی کے باندرہ ایسٹ میں قیام پذیر ہیں۔

علاوہ ازیں اس کتاب میں عالی مقام قلمکاروں کے عالمانہ مضامین کی فہرست یوں ہے۔(۱)عشقِ رسول کی میراث؛سید نورالحسن نوابی عزیزی (۲)حرفِ اعتراف سید مجیب الحسن مجیب نوابی (۳) حجرۂ فن میں معتکف شاعر؛ مجیب نوابی ،یاور وارثی عزیزی نوابی (۴) مجیب نوابی کا بام ایجاب،شمائلہ صدف عزیزی ،فیصل آباد، پاکستان (۵) نئی نسل کے ابھرتے ہوئے نعت گوشاعر سید مجیب الحسن نوابی؛طفیل احمد مصباحی (۶) حضرت مجیب اور لہجے کی متانت ؛ڈاکٹر شکیل احمد اعظمی (۷) تاریخِ اشاعت بام ایجاب ؛محمد نجم الامین عروس فاروقی ،پاکستان ۔اس طرح کل ۷۸صفحات کی شاعری کو۶۸ صفحات کے مضامین میں کافی جانچا پرکھا گیا ہے۔ان میں شاعر کی شخصیت اور شاعری کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ انہیں بام ِیجاب کی کنجی کہاجاسکتا ہے۔

راقم الحروف بامِ ایجاب کا فنی جائزہ لیتے وقت اس کے جدید رنگ سے متاثر ہوا ہے۔اس حوالے سے یہ بھی واضح ہوا ہے کہ جدید تقدیسی شاعری میں قدرت کے نظاروں کے ساتھ ساتھ انسان کی بنائی ہوئی مصنوی چیزوں کو خاص اہمیت دی جاتی ہے ۔ان میں خوبصورتی تلاش کرنا ،ان کی روحانی تشریح کرکے انہیں روحانی حرمت عطا کرنا اور اخلاقی تشفی پانا ایک جوشیلہ مگر حیرت انگیز جادو ہے جو علامت اور اشارات کے روح پرور مظاہر سے جگایا جاتا ہے ۔اس سے شاعر کی تخلیقی ہنر مندی آسمان میں ہلالی پرچم کی طرح اہتزار کرتی ہوئی اپنی موجودگی کا اعلان کرتی ہے۔

اس سے شاعرِ موصوف کے مقام وعظمت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔یہی جدید شاعری کا خاص امتیازی وصف ہے ۔اس سے پہلے کہ اس مرکزی خیال پر آیا جائے''بامِ ایجاب'' کی صنائع بدائع سے پر شاعری کی ایک جھلک دیکھ لی جائے:

(۱)تشبیہ۔۔اس لئے بے مثل ہے شہکار ہے۔ وہ غلامِ سید ابرار ہے

استعارہ۔ طائرِ فکر مدینے میں پہنچ کر اکثر
دیکھتا ہے کبھی دیوار کبھی چھت ان کی

رعایت لفظی۔ ربِّ کونین ہے خود مدح میں ان کی مصروف
یہ وقار ان کا ،یہ عظمت ،یہ وجاہت ان کی

(۴) تلمیح۔... چلے اس سے بھی آگے سرورِ دیں
جہاں جبریل بھی ٹھہرے ہوئے ہیں

(۵)تجنیسِ کامل۔ کیجئے تذکرہ گنبدِ سبز کا ۔دور لمحوں میں دورِ خزاں کیجئے

(۶)محاورہ۔...کبھی ستا نہیں سکتا انہیں غمِ دارین۔غمِ حسین کلیجے سے جو لگاتے ہیں

(۷)مبالغہ۔... جب سے آقا نے بنایا ہے مجھے اپنا غلام
میرے قدموں میں بچھی جاتی ہے جنت ان کی

اس طرح دیکھیں تو فصاحت وبلاغت کی جلوہ آرائی 'جمالیات کی فنکاری'زبان وبیان کی روانی' فکر کی رعنائی اور خیال کی حلاوت ورفعت کے ساتھ تخلیقیت کی بوقلمونی جیسی فنِ شاعری کی تمام خوبیاں مجیب قبلہ کی شاعری میں بدرجۂ اتم موجود ہیں۔

بہر حال کہتے ہیں کہ اچھا شاعر وہی ہے جو بے جان چیزوں میں جان ڈال دے۔ایسا شاعر عیسیٰ دم ہوتا ہے۔اب مجیب قبلہ کے کلام میں صرف انسان کی بنائی ہوئی بے جان مصنوعی چیزوں کو نقطۂ ماسکہ پر لاکر دیکھیں تو نگاہیں ششدر رہ جائیں گی اور سرورق پر دیے شش پہلو کی علامت سمجھ میں آجایے گی تو آپ رمز وکنایہ کی تاویل اپنی خوشی سے کرنے لگ جائیں گے۔آپ کو انسان کی بنائی ہوئی چیزوں

(بقیہ صفحہ 29 پر)

محمد طفیل احمد مصباحی

نئی نسل کے ابھرتے ہوئے نعت گو شاعر
سید مجیب الحسن نوابی

شاعری کیا ہے؟ شاعری دلی جذبات کے فنکارانہ اظہار اور خیالات واحساسات کے موزوں ترین پیرایۂ بیان کا نام ہے۔

شاعری،ادب کی شان اور انسانی تہذیب وثقافت کی جان ہے۔شاعری' فنونِ لطیفہ کی ایک بلند پایہ قسم ہے۔جس میں ادب کی جلوہ سامانی،علم وحکمت کی بوقلمونی،عشقِ حقیقی ومجازی کا سوز وگداز،جذبات کی حدت وتپش،انقلاب آفریں پیغام کی جھلک،اصلاحِ معاشرہ کے زریں نقوش اور دلوں کو مسحور کر دینے والی فنونِ لطیفہ کی ساری خصوصیات پائی جاتی ہیں۔

پروفیسر احمد صدّیق مجنوں گورکھپوری کے بقول:۔

''فنونِ لطیفہ کی سب سے اہم اور سب سے زیادہ لطیف صورت ادب یعنی الفاظ کا فن ہے جو سنگ تراشی اور مصوّری کے بعد وجود میں آیا اور ادب کی سب سے زیادہ قدیم' سب سے زیادہ فطری اور سب سے مقبول عام شکل شاعری ہے''۔

(دوش وفردا؛ص،۱۵۔۔۔ادارہ انیسِ اردو۔الہ آباد)

شعروادب کی اہمیت وعظمت اور ان کی جمالیاتی قدروں سے انکار نہیں شاعری کی بنیاد تخیل پر ہے۔شاعر کا طائرِ فکر وتخیل جس قدر بلند پرواز ہوگا اور مضمون آفرینی میں جس قدر وسعت وگہرائی ہوگی شعر اتنا ہی بلند پایہ،معنی خیز اور خوبصورت ہوگا۔

پروفیسر ہارون رشید نے بجا لکھا ہے؛۔

''اسلام دینِ فطرت ہونے کی حیثیت سے شاعری کی اہمیت اور انسانی تہذیب وتمدن میں اس کے مرتبے کو تسلیم کرتا ہے۔لیکن دوسرے افعال ومحرّکات کی طرح اسے بھی ایک خاص حد میں رکھنا چاہتا ہے،اس لئے کہ اچھی سے اچھی چیز بھی جب اپنا توازن کھو بیٹھتی ہے اور افراط وتفریط کا شکار ہو جاتی ہے تو اس میں بھی مضر اثرات پیدا ہو جاتے ہیں۔اس لئے اسلام نے ''خیر الامور اوسطھا '' کا اصول پیش کیا ہے اور ہمیں اپنی صلاحیتوں اور قوتوں کے استعمال میں توازن برقرار رکھنے کا حکم دیا ہے''(اردو ادب میں اسلامی تلمیحات۔ص؛۱۲۲)

اعتدال وتوازن کے دامن کو تھامتے ہوئے اور مقامِ الوہیت ورسالت کا پاس ولحاظ رکھتے ہوئے اگر شاعری کا رخ اللہ عز وجل' نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم' اولیائے کاملین' بزرگانِ دین کی تعریف وتوصیف کی طرف موڑ دیا جائے تو یہی شاعری پیغمبری کا روپ دھار لیتی ہے اور سراسر عبادت واطاعت کے زمرے میں داخل ہو جاتی ہے۔

ادب اور خصوصیت کے ساتھ اسلامی ادب نعت گوئی کو تقدیسی شاعری کا درجہ حاصل ہے اور یہ تقدیسی شاعری کی سب سے زیادہ مقبول اور ہر دل عزیز صنف ہے۔اردو شعر وادب کے فروغ میں حمد ومنقبت اور بالخصوص نعتیہ ادب نے بڑا اہم کردار ادا کیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ منظوم نعت اور نثری نعت کا ایک وقیع اور بیش بہا ذخیرہ ہمارے ادبی سرمائے میں موجود ہے۔

قرآنِ مقدس کے علاوہ دیگر الہامی کتب اور صحائفِ آسمانی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق بشارتوں اور پیشگوئیوں کو نثری نعت کے ذیل میں رکھا جاسکتا ہے۔کتبِ احادیث کے ابواب فضائل اور خاص طور سے ''شمائلِ ترمذی'' کو نثری نعت کا اعلیٰ شاہکار مانا جاسکتا ہے۔کتبِ تفاسیر میں بھی جابجا نثری نعت کے خوبصورت نمونے دیکھنے کو ملتے ہیں۔

نعتیہ ادب کے محققین کی صراحت کے مطابق قرآنِ کریم معلمِ کائنات فخرِ موجودات جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی نعت بھی ہے اور اکمل ترین اولین درس گاہِ نعت بھی۔

سارے علوم وفنون اور حقائق ومعارف کے ساتھ نعتیہ ادب کا ماخذ اور سرچشمہ خدائے ذوالجلال کی یہی مقدس کتاب ہے۔قرآنِ پاک کو دیگر اوصاف و خصوصیات کے علاوہ نثری نعت قرار دینے میں بڑے بڑے محتاط علما اور ماہرینِ علومِ قرآن کو بھی تامّل نہیں ہونا چاہیے۔ اس ضمن میں مفسرِ قرآن حضرت مفتی احمد یار خاں نعیمی کی کتاب ''شانِ حبیب الرحمٰن من آیت القرآن'' کا مطالعہ مفید ہوگا۔

اسلامی علوم کی ترویج واشاعت اور زبان وادب کے فروغ واستحکام میں مدارسِ دینیہ اور خانقاہوں کی بے مثال خدمات سے تاریخ کے صفحات روشن ہیں۔ علمائے کرام اور مشائخِ طریقت کی بے مثال قربانیوں کے نتیجے میں دین ودانش'علوم

وفنون اور شعر وادب کو کافی عروج ملا۔ آج اردو زبان کے حوالے سے دو باتیں زیادہ تر سننے کو ملتی ہیں۔ بعض ادبی حلقوں کی طرف سے یہ دعویٰ جاتا ہے کہ اردو کا مستقل بڑا روشن اور تابناک ہے اور آنے والی صدی اردو کی صدی ہوگی، جبکہ دوسری طرف سے یاس وقنوطیت کے عالم میں یہ صدا بلند ہوتی ہے کہ "آج اردو زبان آکسیجن پر زندہ ہے"۔ حقیقتِ حال سے قطع نظر راقم الحروف ببانگِ دہل یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اگر اردو زبان چراغِ سحری کی مانند ٹمٹاتی نظر آرہی ہے اور آج یہ زبان اگر آکسیجن پر زندہ ہے تو اسے آکسیجن فراہم کرنے والے یہی علما اور مشائخ ہیں۔ مدارس اور خانقاہوں کا جب تک وجود رہے گا ان شاءاللہ اردو زبان باقی رہے گی۔ اور یہ چراغِ سحری اپنے اجالوں سے انفس وآفاق کی دنیا کو منور وتابناک کرتا رہے گا۔

شریعت وطریقت کی ترویج واشاعت اور اردو زبان وادب کے فروغ و ارتقا میں مثالی خدمات پیش کرنے والی خانقاہوں میں ہندوستان کے مشہور شہر فتح پور (ہسوہ) کا علمی وروحانی خطہ قاضی پور شریف کی ایک عظیم خانقاہ "خانقاہِ عالیہ نوابیہ" بھی ہے جو قدیم صالح اور جدید نافع کی حامل ہے۔ یہ وہ مبارک خانقاہ ہے جہاں شریعت وطریقت کے جام لبالب سے تشنگان باطن کو سیراب کیا جاتا ہے اور بندگانِ خدا کی ہدایت واصلاح کا کام بحسن وخوبی انجام دیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ زبان وادب کے فروغ میں اس مبارک خانقاہ نے بڑا اہم کردار ادا کیا ہے۔ خانقاہ نوابیہ کے روح رواں زبدۃ الکاملین، سراج السالکین، فخرِ العارفین، عاشقِ سید المرسلین، عارف باللہ، مردِ حق آگاہ سیدی وسندی حضرت صوفی سید نواب علی شاہ علیہ الرحمۃ الرضوان ہیں جو اپنے وقت کے خدا رسیدہ بزرگ اور ولیٔ کامل تھے، جن کی نگاہِ کیمیا اثر نے نہ جانے کتنوں کی تقدیریں سنوار دیں اور انہیں زمین کی پستیوں سے اٹھا کر آسمان کی بلندیوں تک پہنچا دیا۔

الولد سرّ لابیہ کے مطابق حضرت نواب علی شاہ کے تمام صاحبزادگان ذی وقار آسمانِ علم وفضل کے آفتاب وماہتاب، بحرِ تصوف ومعرفت کے گوہرِ آبدار اور مملکتِ شعر وادب کے تاج دار ہیں۔ آپ کے صاحب زادگان پر مندرجہ ذیل شعر پوری طرح صادق آتا ہے۔

ایں سلسلہ از طلائے ناب است
ایں خانہ تمام آفتاب است

آپ کے بڑے صاحب زادے اکمل الکملاء، فخر الاتقیاء جامع شریعت وطریقت حضرت سید زاہ صوفی محمد عزیز الحسن نوابی، لیاقتی، ابوالعلائی دامت برکاتھم العالیہ، صاحب سجادہ آستانہ عالیہ نوابیہ، قاضی پور شریف، فتح پور (یو، پی) ایک باکمال عالم وفاضل، درویشِ کامل مرشدِ طریقت اور بے مثال صوفی ہیں۔ جن کی زندگی اور بندگی کو دیکھ کر اسلاف کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ موصوف اپنے والد گرامی کے سچے علمی وروحانی جانشیں ہیں۔ اور نہایت خلوص ومستعدی کے ساتھ پدر بزرگوار کے مشن کو آگے بڑھانے میں شب وروز کوشاں ہیں۔ اللہ تبارک تعالیٰ پنجتن پاک کے صدقے گلشن نواب علی شاہ کے اس گلِ سرسبد کو ہمیشہ ہرا بھرا رکھے اور ان کے علم وعمل اور عمر واقبال میں بے پناہ برکتیں عطا فرمائے۔ آمین !!!!

آپ کے منجھلے صاحب زادے ادیبِ عصر، شاعرِ جدت طراز، ماہرِ فکر وفن نازشِ شعر وسخن تاج الشعراء جناب سید محمد نور الحسن نور نوابی عزیزی دام ظلّہ العالی اپنے آباء واجداد اور اسلافِ کبار کے عکسِ جمیل ہیں۔ آپ کی شاعری نے عہدِ میر وغالب کی یاد تازہ کر دی ہے۔ جذبۂ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سرشار اس عاشق صادق نے اپنی نعتیہ شاعری کے ذریعہ عشاقِ مصطفیٰ کے دلوں میں عشقِ والفت کی ایک تازہ لہر پیدا کر دی ہے۔ نعتیہ ادب کے فروغ واستحکام میں آپ کے زریں کارنامے آبِ زر سے لکھے جانے کے لائق ہے۔ نعت گوئی کے میدان میں آپ ایک طرزِ خاص کے موجد ہیں۔ نہایت خلیق، متواضع، حلیم النفس، کریم الطبع، کشادہ قلب، سخی وفیاض اور شفیق ومہربان انسان ہیں۔

سرکار سیدی شاہ نواب علی علیہ الرحمہ کے سب سے چھوٹے فرزند شاعرِ خوش فکر جناب سید محمد مجیب الحسن مجیب نوابی عزیزی زید علمہ وعمرہ (صرف چھوٹے میاں) ہیں جو خاندانِ نواب علی شاہ کے چشم وچراغ اور سلسلۂ طلابِ ناب کی ایک زریں اور مستحکم کڑی ہیں۔ اور شعر وادب کے معاملے میں اپنے برادران عالی وقار کے نقشِ قدم پر گامزن ہیں۔

ماشاءاللہ ! شعر وادب کا بڑا پاکیزہ اور ستھرا ذوق رکھتے ہیں اور بڑی اچھی شاعری کرتے ہیں۔ موصوف سے راقم الحروف کی ملاقات پیکرِ علم واخلاق جناب قاری اخلاق احمد فتح پوری کے توسط سے ہوئی ہے۔ خانقاہ نوابیہ، قاضی پور شریف کے صاحب سجادہ جناب سید عزیز الحسن صاحب قبلہ اور تاج الشعراء ادب کے رمز آشنا اور بڑے قادر الکلام شاعر ہیں لیکن جب ان کے چھوٹے بھائی جناب سید مجیب الحسن صاحب کے بارے میں قاری صاحب کے ذریعہ علم ہوا کہ یہ بھی شاعر ہیں تو میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ اللہ اللہ !!! ایک ہی خانوادے کے سارے چشم وچراغ علم وادب کے رنگ میں رنگے ہوئے ہوں، ایسا حسین اتفاق بہت کم دیکھنے کو ملتا ہے۔ سچ کہا گیا ہے!

تیری نسلِ پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا
تو ہے عین نور تیرا سب گھرانا نور کا

جب قاری اخلاق صاحب کے ذریعہ سید مجیب الحسن صاحب کا پہلا نعتیہ کلام نظر سے گذرا تو راقم بہت متاثر ہوا اور ان کی شاعری کے آگے خود کو طفلِ مکتب سمجھنے پر مجبور پایا۔ بڑی پیاری نعت پاک تھی۔ اس لئے ماہنامہ اشرفیہ، مبارک

پور جون ۲۰۱۸ء کے شمارے میں اسے شائع بھی کر دیا۔ ابھی دو ہفتہ قبل قاری اخلاق صاحب نے یہ مژدۂ جاں فزا سنایا کہ سید مجیب الحسن صاحب قبلہ کا مجموعۂ نعت ،مناقب ''بامِ ایجاب'' کے نام سے منظرِ عام پر آنے والا ہے تو بڑی مسرت ہوئی اور دل سے دعائیں نکلیں ۔اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے سیدی شاہ نواب علی علیہ الرحمہ کی تربت پر تا صبح قیامت اپنے انوار وتجلّیات اور رحمت وغفران کی بارش نازل فرمائے اور آپ کے علمی وروحانی فیوض وبرکات سے ہم غلامانِ نواب علی شاہ کو مالا مال فرمائے اور آپ کے تمام صاحبزادگان کو دین ودنیا کی سعادتوں اور برکتوں سے نوازے۔....آمین!

زیرِ نظر مجموعۂ نعت ومناقب ''بامِ ایجاب'' صوری ومعنوی اعتبار سے ایک گراں قدر شعری وادبی مرقع ہے، جو شاعر کے بلند افکار وخیالات کی ترجمانی کرتا ہے اور قارئین کے دلوں میں عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شمعیں روشن کرتا ہے۔ایک ایک شعر عشق وعقیدت سے لبریز ہے۔اندازِ بیاں بڑا والہانہ اور طرزِ ادا سرمستانہ ہے شاعر باوقار جناب سید مجیب الحسن مجیب صاحب، چونکہ ایک عظیم وروحانی خاندان کے چشم وچراغ ہیں اس لئے ان کی طبیعت میں صوفیانہ رنگ غالب ہے۔خانقاہی مزاج رکھتے ہیں اور صوفیانہ مسلک ومشرب کے حامل ہیں۔

کہتے ہیں کہ انسان اپنے ماحول کا پروردہ ہوتا ہے اور جس ماحول میں اس کی پرورش ہوتی ہے اس کا اثر اس کی ذاتی زندگی پر ضرور پڑتا ہے۔مجیب میاں کی تعلیم وتربیت خانقاہی ماحول میں ایک ولیٔ کامل، عارف باللہ اور ایک سچے عاشقِ رسول کی آغوشِ شفقت میں ہوئی۔والدین کریمین، برادرانِ عظام اور احباب واقارب سب کے سب علم وادب کے متوالے اور عشق وعقیدت کے جلووں سے آراستہ تھے۔لہٰذا اس خوش رنگ ماحول اور پاکیزہ ادبی فضا میں جو پیکر تیار ہوا وہ بھی اسی رنگ میں رنگا ہوا تھا پھر کیا تھا؟ تھوڑی سی مشق وممارست کے بعد یہ ننھا سا پیکر بھی علم وحکمت کا رسیا اور شعر وادب کا متوالا بن گیا۔اور ایک وقت ایسا بھی آیا کہ زمانے کو علم وادب کی خیرات بانٹنے لگا۔مجیب میں صاحب اگرچہ عصری تعلیم یافتہ اور ایک اچھے سافٹ ویئر انجینئر ہیں لیکن دین ومذہب کا بڑا گہرا مطالعہ رکھتے ہیں۔مطالعۂ کتب، نثر نگاری، نعت گوئی اور منقبت نگاری انکے دلچسپ مشاغل ہیں۔علمی، ادبی اور تاریخی کتابوں کا خوب مطالعہ کرتے ہیں اور سوشل میڈیا پہ باذوق قارئین کو بھی ان کتب ورسائل کے مطالعہ کی دعوت دیتے ہیں۔شعر وسخن کا ستھرا ذوق انھیں وراثت میں ملا ہے۔اپنے برادرِ مکرم تاج الشعراء جناب سید محمد نور الحسن صاحب سے کلام کی اصلاح لیتے ہیں۔درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے اور شاگرد اپنے استاد سے۔اپنے عظیم المرتبت بھائی اور استاد کا رنگ وآہنگ مجیب صاحب کے کلام میں صاف طور پر دکھائی دیتا ہے۔اس مجموعے میں شامل بعض کلام واشعار ایسے بھی ہیں کہ مطالعہ کرنے کے بعد طبیعت جھوم جاتی ہے اور رگِ عشق وعقیدت پھڑک اٹھتی ہے۔ایک عاشقِ دل گیر کی قلبی واردات کتاب کی سطر سطر سے نمایاں ہیں:

مری نگاہ بھی پہنے گی روشنی کا لباس
جو خاکِ طیبہ مرے آگے جلوہ گر ہوگی
سفرِ حیات کا مشکل نہ ہوگا تجھ کو مجیب
اگر نگاہ میں آقا کی رہ گزر ہوگی

☆

تمناؤں کو اجالا کرلیا ہے
مدینے کا ارادہ کرلیا ہے
رقم کرنی ہے مجھ کو نعتِ آقا
ورق یوں دل کا سادہ کرلیا ہے

نظر اور نگاہ کے لیے روشنی کا لباس پہننا، تمناؤں کو اجالا کرنا اور نعتِ خیر البشر رقم کرنے کے لیے دل کے ورق کو سادہ کرنے کی ترکیب کیا ہی خوب ہے اور شاعری کی اخاذ طبیعت کی جانب اشارہ کرتی ہے۔

عشق ووارفتگی سے لبریز کلام:

نبیٔ اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت جزوِ ایمان ہے۔اس کے بغیر دین وایمان کی تکمیل ممکن نہیں۔شاعرِ مشرق علامہ اقبال بہت پہلے متنبہ فرما چکے ہیں:

محمد کی محبت دینِ حق کی شرطِ اول ہے
اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم دنیوی واخروی فلاح وبہبود کا ضامن ہے۔ محبتِ رسول سے ایمان کو حلاوت اور چاشنی کی دولت نصیب ہوتی ہے۔وہ متاعِ بے بہا اور سرمایۂ افتخار ہے جسکی قیمت معین نہیں کی جاسکتی۔عشقِ رسول کی دولت جس خوش بخت کے حصے میں آئی اسے قطرے سے سمندر، ذرے سے آفتاب، عام سے خاص، محکوم سے حاکم اور مفلس وقلاّش سے دنیا کا امیر ترین انسان بنادیا۔یہ وہ شرابِ طہور ہے کہ اس کے جام لبالب سے جس نے بھی چند جرعات پی لیے وہ علم ومعرفت کے بحرِ بے کراں بن گئے۔یہ وہ حیات بخش اور وجد آفریں نشہ ہے کہ جو اس سے سرشار ہوا اس نے عشق وعرفاں کے مدارج بڑی سرعت کے ساتھ طے کر لیے اور فطرت کے اسرار ورموز اس پر منکشف ہونے لگے۔بخاری شریف کی حدیث ہے۔

لا یؤمن احدکم حتٰی أکون احب الیہ من والدہ وولدھو الناس اجمعین یعنی تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے باپ، اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ

محبوب نہ ہوجاؤں۔غرض کہ عشقِ رسول ہی حاصلِ زندگی اور عشق ہی کمالِ بندگی ہے۔

شاعرِ ذی وقار، آلِ رسول جناب سید محمد مجیب الحسن مجیب نوابی عزیزی دام ظلہ، جس باعظمت خاندان کے فردِ جلیل ہیں وہاں کا ابتدائی درس ہی عشق رسول ہے یہی وجہ ہے کہ عشق نبی اور الفت شہہ بطحا صلی اللہ علیہ وسلم کے جذبوں سے شاعر کا دل ودماغ پوری طرح لبریز ہے ۔ان کی شخصیت اور فکروفن میں وارفتگی کی جھلک صاف دکھائی دیتی ہے۔شاعر نے اپنے قلمِ حقیقت رقم سے عشق رسول اور الفت شہہ بطحا کے نیے نیے پیکر تراشے ہیں اور کمالِ محبت کا ثبوت دیتے ہوئے نعتیہ کلام موزوں کیے ہیں۔مندرجہ ذیل اشعار دیکھیں اور عاشق صادق کے عشق کی فراوانی اور عقیدت کی طغیانی ملاحظہ کریں؛

اللہ رے یہ شہرِ پیمبر کا احترام!!
ہوتی نہیں یہاں پہ ہوائیں بھی تیز گام
جب سے کوئے سرورِدیں کی شناسائی ملی
مجھ سے بے مایہ کو خلقت میں پزیرائی ملی

☆

لب ملے ہیں چومنے کو نقشِ پائے مصطفیٰ
ذکر کرنے کو انہیں کا مجھ کو گویائی ملی

☆

یہ ذرّاتِ مدینہ کا ہے صدقہ ۔ جو اتنا نور ہے شمس وقمر میں
تصور میں گلِ طیبہ ہے میرے۔ کھلے ہیں پھول صحرائے نظر میں

☆

ترے روئے منور کی ضیا سے۔قمر نے استفادہ کرلیا ہے!!
جو پائے مصطفیٰ کی خاک پائی۔اسے اپنا لبادہ کر لیا ہے !!

☆

ترے خوشبو سے اے گلزارِ طیبہ۔معطر ہے بدن بادِ صبا کا !!!
سوئے طیبہ چلے جب کوئی کارواں۔خود کو گردِ رہِ کارواں کیجئے
کیجئے تذکرہ گنبدِ سبز کا۔دور لمحوں میں دورِ خزاں کیجئے

سید مجیب الحسن مجیب کی شعری شخصیات بہت سی ہیں ،جن میں سے بعض اہم خصوصیات فصاحتِ الفاظ اور بلاغتِ معنی کے ساتھ خیال کی بلندی، سادگی زبان اور صفائیِ بیان ہیں ۔آج جب کہ حشرات الارض کی طرح شاعر ومتشاعر پیدا ہورہے ہیں اور خود کو "شعر وسخن کا بادشاہ" کہلانے میں کوئی اخلاقی قباحت محسوس نہیں کی جارہی ہے، ایسے میں مجیب میاں کی شاعری سے تسکینِ خاطر فراہم ہوتی ہے اور اردو کے روشن مستقبل کے آثار وامکان دکھائی دیتے ہیں۔مندرجہ بالا ادبی خصوصیات کے حامل چند اشعار نذرِ قارئین ہیں:

ترے لطف کا سلسلہ یاالٰہی
رہے ساتھ میرے سدا یاالٰہی
مری شاخِ امید پر بہرِ زہرا
کھلا دے گلِ مدعا یاالٰہی
کھلیں میری باتوں سے کلیاں دلوں کی
بنا دے مثالِ صبا یاالٰہی !!

☆

مجیب ان کے حصارِ لطف میں ہوں۔نہیں ہے خوف طوفانِ بلا کا

کہو شہرِ نبی میں جا کے دیکھے۔جسے ارماں ہو رحمت کی گھٹا کا

☆

گنجِ رحمت لٹانے حضور آ گئے ۔دشت میں گل کھلانے حضور آ گئے
عبد معبود کے بیچ حائل جو تھے۔سارے پردے ہٹانے حضور آ گئے
وقفِ نعتِ شہِ مرسلاں کیجئے
زیست کو اپنی یوں کامراں کیجئے

ان اشعار میں فن کی حلاوت بھی ہے اور ادب کی چاشنی بھی ،فصاحت وبلاغت کی جلوہ سامانی بھی ہے اور سلاست وروانی کے سبک رفتار اور ترنم ریز آبشار بھی۔رفعتِ خیال اور رعنائیِ فکر کی اس سے بہتر مثال اور کیا ہوسکتی ہے۔

شاعرِ ممدوح کو زبان وبیان پر پوری قدرت حاصل ہے۔الفاظ کے انتخاب،ان کے برمحل استعمال اور نت نئی تراکیب کی ایجاد پر ملکۂ تامہ رکھتے ہیں۔عام موضوع کو بھی خوبصورت الفاظ اور کلمات، دلکش تعبیرات اور زورِ تخیل سے حسین تر بنادیتے ہیں۔چند مثالیں ملاحظہ کریں۔

مری نگاہ بھی پہنے گی روشنی کا لباس ۔ جو خاکِ طیبہ مرے آگے جلوہ گر ہوگی
جاتا ہوں بارگاہِ نبی میں جھکائے سر۔رخشِ تصورات کی تھامے ہوئے لگام
صورتِ مہتاب چرخِ فکر پر۔ضوفشاں یادِ شہِ ابرار ہے
ہو گئے جس دم تبسم ریز میرے مصطفیٰ
کھل اٹھا رنگِ چمن پھولوں کو رعنائی ملی

سبحان اللہ، ماشاءاللہ!!

جس کے دل میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت ہوتی ہے اس کی نوکِ قلم سے ایسے ہی وقیع نعتیہ اشعار قرطاسِ ابیض پر موتی بن کر بکھر جاتے ہیں۔ اللہ تبارک تعالیٰ اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے شاعر کے زورِ قلم

میں مزید قوت اور فکر میں مزید توانائی عطا فرمائے۔....آمین!

شاعرِ باکمال سید مجیب الحسن مجیب نے حمد و نعت کے علاوہ منقبت نگاری میں بھی اپنے اعلیٰ فکر و فن کا ثبوت دیا ہے اور بزرگانِ دین کی بارگاہِ ناز میں الفت و محبت کا خراج اور گلہائے عقیدت پیش کیا ہے۔حمد و نعت اور منقبت کا شمار تقدیسی شاعری میں ہوتا ہے اور ہئیت کے بجائے موضوع کے لحاظ سے ان کی شناخت ہوتی ہے۔

اردو میں رائج اصنافِ سخن کا تعین ہئیت اور نفسِ مضمون کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ہئیت کے اعتبار سے اب تک متعارف ہونے والی اصناف میں گیت' دوہا' ماہیا ،ثلاثی ،ہائیکو ،رباعی ،مخمس ،مسدّس ،نظم معرّیٰ ،آزاد نظم ،غنائیہ اور غزل نمایاں حیثیت رکھتی ہیں اور نفسِ مضمون کے حوالے سے اصناف میں حمد ،نعت' مناجات ،منقبت ،قصیدہ ،ترانہ ،ہجو ،شہرِ آشوب ،خمریات ،ہزل (یعنی اینٹی غزل) غزل ،سہرا ،مرثیہ ،بہاریہ اور واسوخت کے نام خصوصیت کے ساتھ لیے جاتے ہیں۔

شاعر نے حمد و نعت اور منقبت کے شعری اور فنی تقاضوں کا بہر گام خیال رکھا ہے۔اور شرعی نقطۂ نظر سے اللہ عزّ وجل ، نبی کونین صلی اللہ علیہ وسلم ،اولیائے کاملین اور بزرگانِ دین کے مقام و منصب کا پاس و لحاظ رکھتے ہوئے بڑی کامیاب شاعری کی ہے۔شاعرِ محترم جس عظیم اور بابرکت خانقاہ کے فردِ فرید ہیں ،اس خانقاہ میں علم و فضل اور شعر و ادب کا بڑا غلغلہ ہے۔اپنے موروثی اور اکتسابی فضل و کمال کا سہارا لے کر مجیب میاں نے جس انداز کی شاعری کی ہے ،وہ اپنی مثال آپ ہے۔ علاوہ ازیں شاعر کے فکر و فن کو سنوارنے اور نکھارنے میں ان کے برادرِ مکرم تاج الشعراء جناب سید محمد نور الحسن نور نوابی عزیزی دام ظلہٗ نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ منقبت کے چند اشعار نذرِ قارئین کر کے اپنے مضمون کو ختم کرتا ہوں۔

اس پہ قربان سطوتِ شاہی۔ ہو گیا جو ترا غلام حسین
مل گیا خاک میں یزید کا نام۔تجھ کو حاصل ہوا دوام حسین

غموں کی دھوپ میں بچنے کے واسطے شبّیر۔تمہاری یاد کو ہم سائبان بناتے ہیں
جو دیکھا ترا نقشِ پا غوثِ اعظم۔تو خم ہو گیا سر مرا غوثِ اعظم
کھڑا ہے در پہ ترے کاسۂ مراد لئے۔مجیب کو بھی ہو صدقہ عطا غریب نواز
گلِ باغِ نبی مخدوم صابر۔چراغِ حیدری مخدوم صابر
مخزنِ جود و سخاوت ہیں علی ہجویری۔منبعِ علم و کرامت ہیں علی ہجویری
قبلۂ اہلِ نظر کوچہ شہہِ نواب کا۔کعبۂ اہلِ صفا روضہ شہہِ نواب کا

☆☆☆

(بامِ ایجاب پر ایک طائرانہ نظر کا بقیہ)

جسارت ،اختر شماری عاشق کا مقدر ہیں۔
عاشق کا مقدر ہیں۔

مضامین نو کی چاشنی سے مملو چند اشعار قارئین کی نذر ہیں ،جن میں شاعر کے دین و ایمان کی بھرپور ترجمانی عکس ریز ہے ۔

اس لیے رب دو عالم نے بنائیں راتیں
عالم خواب میں ہو جائے زیارت ان کی
جذب کر لے گا حرارت اپنے سینے میں مجیب
آفتاب حشر بھی ان کی رداء کو دیکھ کر
اے ہوا! لے سانس آہستہ یہاں۔ یہ دیارِ احمد مختار ہے
چاہتا ہوں کہ میری مٹی بھی۔خاک شہر نبی میں ضم ہو جائے
مرا سینہ بھی ہو جائے منور۔بنے جو نقش تیرے نقش پا کا
لوٹ کر آئی نہیں میری نظر
اتنا شہر مصطفیٰ اچھا لگا

میری ناقص رائے میں ذیل کے مصرعے عدم توجہی کا شکار ہو گئے ہیں

۱۔ آغوش میں طلسم کے دریا جو قید ہوں
۲۔ بادصبا کے خامے سے قرطاس صبح پر
۳۔ طائر دل خوش ہوا ہے کس قدر میرا نہ پوچھ
۴۔ اے مرے دل پریشاں ہے کیوں اس قدر
۵۔ ہوتی نہیں یہاں پہ ہوائیں بھی تیز گام
۷۔ دامن آقا سایہ کیے ہے مجھ پہ مجیب

۱۔آغوش تانیث ہے۔۲۔فارسی لفظ خامہ کے حرف ''ی'' کی ترخیم روا نہیں ہے۔۴-۳۔ قدر بروزن سفر بمعنی تقدیر ،مساوی ،حکم مجمل وغیرہ اور قدر بروزن درد بمعنی مقدار وغیرہ۔لہٰذا یہاں ''قدر'' کی جگہ ''طرح'' کہا جا سکتا تھا۔ ۵۔ ہوتی کی جگہ ہوتیں۔۶۔یہ کی جگہ ''کہ'' یا ''جو'' کی ضرورت تھی۔

۷۔سایۂ دامانِ آقا ہے مجھ پہ مجیب

میاں مجیب الحسن صاحب بالکل نوجوان صالح شاعر ہیں۔ میں وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ''بام ایجاب'' اہل علم سے قبولیت کی سند حاصل کرنے کی اہل ہے اور میاں صاحب 'ہے مشق سخن جاری چکی کی مشقت بھی' کے مصداق مشق اور مطالعہ کرتے رہے تو آنے والے دنوں میں صف اول کے نعت گو شعراء میں شمار کئے جائیں گے۔

☆☆☆

ڈاکٹر منظور احمد دکنی
E.mail:drmnzrd@gmail.com
Mob-9964801454

''گلِ سر سبد''اور میرا مطالعہ

شاعری اپنے دور کی عکاس، بدلتی ہوئی اقدار کی ترجمان اور اپنے عصر کی آواز ہوتی ہے۔غلام مرتضٰی راہی کا شماران چند آوازوں (شاعروں) میں ہوتا ہے جو جدید شاعری میں اعتبار رکھتے ہیں۔ان کی شاعری زندگی کے مدوجزر کی ترجمانی کرتی ہے۔موصوف کا شعری مجموعہ''گلِ سر سبد''۲۰۱۹ء میں شائع ہوکر ترسیل وابلاغ کے مراحل طے کر رہا ہے۔اس مجموعے میں منتخب غزلوں اور چنندہ اشعار کو پیش کیا گیا ہے۔پورا انتخاب اعلیٰ شاعری کا آئینہ دار ہے۔اس انتخاب میں ایسے اشعار بھی موجود ہیں جو قاری کو اپنی جانب متوجہ کرتے ہیں۔شمس الرحمٰن فاروقی نے کسی بھی شاعر کی انفرادیت سے زیادہ اچھی شاعری کو مستحسن قرار دیا ہے۔ان کا خیال ہے کہ انفرادیت اور عظمت کا فیصلہ تاریخ طے کرے گی۔.....وہ لکھتے ہیں:

''دراصل ہم لوگ''انفرادیت'' کی نشاندہی کرنے کی دھن میں اچھائی کی نشاندہی کرنا بھول جاتے ہیں۔میں نے اکثر کہا ہے کہ انفرادی اسلوب ٹھیک تو ہے لیکن پہلی شرط ہے کہ شاعری اچھی ہو۔دوسری بات جو میں نے اکثر کہی ہے وہ یہ کہ معاصر ادب کے تناظر میں یہ کہنا بہت معنی خیز نہیں ہے کہ وہ اچھا ہے یا نہیں؟عظمت کا فیصلہ تو ہم آپ نہیں ،تاریخ طے کرے گی۔جب ہم ،آپ اور ہمارا ممدوح اپنے اپنے تکئے کو آباد کر چکے ہوں گے۔''

فاروقی صاحب کی بات میں وزن واثر ہے۔یہ بات حقیقت شعار ہے کہ کسی بھی شاعر کی انفرادیت اور عظمت کا تعین آنے والا وقت ہی طے کرے گا۔آج جو بھی ادب تخلیق ہو رہا ہے اس سے سبھی واقف ہیں۔فی زمانہ تخلیق کا معیار واعتبار کیا ہے۔اور نقد وبصر کا پیمانہ کس درجہ محدود اور کوتاہ بینی کا شکار ہے۔بازار شعر ونقد میں نقلی مال کی واہ واہی خوب ہو رہی ہے۔ایسے مصنوعی ماحول میں انفرادیت سے زیادہ اچھے ادب اور شعر کی تلاش بہت ضروری ہے اور اچھی چیز زیادہ دنوں تک پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔

غلام مرتضٰی راہی کی شاعری کے جواہر بہت جلد عیاں ہو گئے۔رفتہ رفتہ ان کی شاعری کے چرچے بھی ہونے لگے اوا ادبی سطح ہر ان کی شاعری کو داد وتحسین سے بھی نوازا گیا۔ان کی آواز اور انداز فوری طور پر پہچانا جاتا ہے۔معاصر غزل میں ان کے یہاں نہ صرف اچھے شعر موجود ہیں بلکہ ان کے شعر میں انفرادی اوصاف بھی پائے جاتے ہیں۔چند شعر جو میری بات کی وکالت کرتے نظر آتے ہیں:۔

مکاں تا لامکاں تنہا ہے تو بھی۔یہی عالم ہے میرے چار سو بھی

اب کے موسم تھا سخت بارانی۔میرے آنگن تک آئی طغیانی

بھائی کا خون بھی پی سکتا ہوں۔ہے کوئی میرے برابر پیاسا؟

ہے وہی دنیا پر اب جس سمت جاتی ہے نظر

دیکھنے کے واسطے میرے تماشا رہ گیا

غلام مرتضٰی راہی کا مشاہدہ اور مجاہدہ عمیق ہے۔اپنے گردو پیش کا گہرائی سے جائزہ لیتے ہیں۔زندگی کی کڑواہٹوں ،ٹوٹتے بکھرتے رشتوں اور لمحہ لمحہ گھلتے ہوئے زہر کو وہ محسوس کرتے ہوئے اس کا فنی اور تخلیقی اظہار کرتے ہیں۔ان کا اپنا ایک خاص لب ولہجہ ہے۔ان کی غزلوں میں شائستگی ،سنجیدگی ،المناکی ،سادگی اور روانی پائی جاتی ہے۔ان کے کلام میں روحانیت کے عناصر بھی بدرجہ اتم پائے جاتے ہیں۔

انہوں نے اپنی زندگی کے تجربات اور مشاہدات کو بڑی خوبی سے غزل میں پیش کیا ہے۔ان کی غزلوں کے مطالعہ سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ انہوں نے حیات کے حقائق ومعارف کو اپنی نظر سے دیکھنے کی سعی کی ہے۔انھوں نے اپنی غزلوں کے توسط سے حیات کے روشن اور تاریک پہلوؤں اور روزمرہ زندگی میں پیش آنے والے نشیب وفراز کو خوبصورتی سے صفحۂ قرطاس پر بکھیرا ہے۔ان کے اشعار اپنے دور کی آواز ہیں جن میں عصری گونج سنائی دیتی ہے۔چند شعر ملاحظہ فرمائیں:

سولی پہ چڑھ گیا کبھی کودا میں آگ میں۔پوچھو نہ میرے جذبۂ بے اختیار کی

کیا تھا اس نے جوانی میں وصل کا وعدہ۔بزرگ ہو گئے ہم اعتبار کرتے ہوئے

تعمیر کے لئے مجھے درکار ایک عمر۔تخریب کے لئے مجھے اک لمحہ چاہئے

پڑ رہی ہے تری ضرورت اور۔اے زمیں تجھ کو اب کہاں ڈھونڈوں

پہلے اس نے مجھے پھیلا دیا عالم عالم۔اور پھر سوئی کے ناکے سے نکالا مجھ کو

غلام مرتضٰی راہی کی شاعری کلاسیکی آہنگ اور جدید طرز سے عبارت ہے۔نہ وہ ماضی کی فرسودہ روایات سے خود کو وابستہ کرتے ہیں اور نہ نئے دور کے بے تکے پن اور مہمل گوئی پر اتر آتے ہیں۔ان کی غزلیں متنوع رنگ کی حامل ہیں۔ان

کے تفکر میں انسانی دکھ درد اور خوشی کے احساسات نہایت سیدھے سادے اور صاف لفظوں میں بیان ہوئے ہیں۔ سادہ بیانی میں تہہ داری ان کا وصف خاص ہے۔ ان کی غزلیہ شاعری کے موضوعات میں زندگی کے سارے پیچ وخم مل جاتے ہیں۔ ان کے اظہار میں ان کا اپنا طرز ملتا ہے چند مثالیں ملاحظہ ہو۔

آدمی اپنے آپ سے محروم۔ خودشناسی سے آئینے محروم
دنیا میں کوئی سوتا کوئی جاگتا رہا۔ سورج کہیں نکلتا کہیں ڈوبتا رہا
خاک تیرا نہیں، میرا جو زمانہ تھا کبھی۔ رائج الوقت مرے نام کا سکہ تھا کبھی
جن کو کبھی بچھایا تھا اوروں کی راہ میں۔ وہ سنگ آج بن کے ہمیں آئینہ ملے
چہرا دونوں میں ایک سا دیکھوں۔ سنگ دیکھوں کہ آئینہ دیکھوں

غلام مرتضٰی راہی کے کلام میں تازگی اور سنجیدگی موجود ہے۔ انہوں نے غزل میں عمومی لب ولہجہ سے گریز کیا ہے۔ اسی وجہ سے ان کے بہت سے اشعار میں انفرادی لب ولہجہ در آیا ہے۔ ان کی غزلیں ہمہ جہت پہلوؤں کی آئینہ دار ہیں اور معاصرین سے الگ ان کی تخلیق پہچانی جاتی ہے۔ اس لئے ان کی شاعری کا مجموعی آہنگ ''سنجیدہ'' اور ''تفکرانہ'' ہے۔ ان کے یہاں معنویت، تہہ داری اور اظہار میں دلکشی بھی ملتی ہے۔ شمس الرحمن نے سچ ہی کہا تھا کہ..........

اب غلام مرتضٰی راہی کے لہجے میں کچھ ایسی سنجیدگی اور تفکر کار فرما ہو گئے ہیں جو زندگی کے سرد و گرم دیکھنے والے کا خاصہ ہوتی ہے، لیکن ہر ایک کو وہ نصیب نہیں ہوتی۔ اس کی سنجیدگی میں المنا کی جیسا انداز آ گیا ہے جو پہلے نہیں تھا۔

غلام مرتضٰی راہی نے اپنی غزل گوئی کو ایک نئے طرز اور نئے رنگ سے آشنا کرنے کی کوشش کی ہے۔ انہوں نے غزلوں میں روایتی اور جدید الفاظ اور اشارات کا استعمال کیا ہے۔ ان کے بعض اشارات، حادثات اور حالات سے ہم آہنگ نظر آتے ہیں جس کو شاعر نے تخلیقی انداز سے برتا ہے۔ ان کی غزلوں میں سادگی اور نرمی کی کیفیت ملتی ہے۔ انہوں نے انسانی جذبات واحساسات کا اظہار نئے طرز سے کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے فن میں کامل نظر آتے ہیں۔ ان کی زبان میں سادگی اور پرکاری، بیان میں سلاست وروانی اور اسلوب میں اچھوتا پن نمایاں ہے۔ ان کی غزلیں الفاظ کی سادگی، لہجہ کا نیا پن اور پراثر کیفیت پر دال ہیں۔

ان کا یہ انتخاب ان کی پختہ کلامی اور پختہ مزاجی کا پتہ دیتا ہے۔ بہر کیف ان کے شعری مزاج میں قلندرانہ بے نیازی بھی موجود ہے۔ اور ان کی غزل نئے امکانات کی بشارت دیتی ہے۔ چند اور اشعار قارئین ملاحظہ فرمائیں۔

مرے اشک پلکیں بچھائے ہوئے ہیں۔ ملے کوئی دامن بھگونے کے قابل
وہی گستاخ ہواؤں کا چلن۔ وہی اڑتا ہوا آنچل اب تک
سبق مجھ سے لے لے کے چلتا رہا۔ میں گرتا رہا، وہ سنبھلتا رہا
سب تہی ظرف تھے، پانی کے لئے دوڑ پڑے۔ قصۂ صبر ورضا کون لبِ جو کہتا
رکھ دیا وقت نے آئینہ بنا کر مجھ کو۔ روبہ رو ہوتے ہوئے بھی میں فراموش رہا

بحیثیت مجموعی اردو شاعری کی نئی نسل جو ۱۹۶۰ کے بعد شعری ایوان میں داخل ہوئی وہ نسل فکر واظہار کی سطح پر اپنے پیش رووں سے مختلف نظر آتی ہے۔ یہ نسل کسی خارجی تقاضوں کی پابند نہیں تھی بلکہ اپنے داخلی تقاضوں کے باوصف زندگی کو دیکھنا اور سمجھنا چاہتی تھی۔ اور اسی کے سہارے اپنے تخلیقی سفر کو ارتقائی مراحل تک لے گئی اور ان مراحل میں غلام مرتضٰی راہی نے بھی اپنا خونِ جگر صرف کیا۔ اس نسل کے سبھی قلمکاروں کے درمیان ایک بات مشترک تھی یعنی پامال راہوں سے بچتے ہوئے نئی سمتوں کا رخ اور فکر وفن کے نئے امکانات کی سیر۔ سفر اجتمائی انداز میں شروع ہوا مگر ہر مسافر کی سمت اور طلب انفرادی حیثیت کی حامل رہی۔ لہٰذا غلام مرتضٰی راہی نے جو سمتِ سفر متعین کیا اس میں انھیں اعتبار بھی حاصل رہا۔

☆☆☆

(شعر کے پردے میں کا بقیہ)

ایسا تحریری دستاویز ہے جس میں شامل مضامین دانش غنی کے مطالعات کی مختلف جہتوں کی نشاندہی کرتے ہیں، یہ بات سچ ہے کہ دانش غنی نے زیادہ تر مضامین شاعری کے حوالے سے تحریر کئے ہیں اور ان شعراء پر بھی لکھے ہیں جن کا تعلق ودربھ اور کوکن کے علاقوں سے ہیں۔ میرے نزدیک یہ بات کسی طور پر غیر مناسب بھی نہیں کیونکہ غیر معروف تخلیق کاروں اور قلم کاروں پر ہمارے سکہ بند نقاد تو خامہ فرسائی کرنے سے رہے، لہٰذا نئی نسل کے ناقدین کی اخلاقی ذمہ داری بھی ہوتی ہے کہ وہ اپنے علاقوں کے جینوئن قلمکاروں کے ادبی سفر کا تنقیدی محاسبہ کرکے ادبی تاریخ مرتب کرے، اور میرے نزدیک دانش غنی نے یہ کام بخوبی کیا ہے جس کے لئے وہ یقینی طور پر قابلِ مبارک باد ہیں۔

کتاب کے آخر میں دانش غنی نے مدیر ماہنامہ آج کل اور روزنامہ انقلاب کو لکھے گئے اور اشاعت شدہ اپنے کچھ مکتوبات بھی کتاب میں شامل کر دیے ہیں جو میرے نزدیک کسی طرح مناسب نہیں کیوں کہ ان خطوط کی شمولیت کے جواز کو سمجھنا میرے لئے مشکل ہے، اگر یہ خطوط کتاب میں شامل نہ بھی ہوتے تو کتاب کی اہمیت اور افادیت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ بہر حال مجھے یہ کہنے میں کوئی جھجھک نہیں کہ دانش غنی نے اس کتاب میں جو مضامین شامل کئے ہیں ان کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ایک کثیر المطالعہ انسان ہیں اور چونکہ وہ نوجوان ہیں لہٰذا امید کی جاسکتی ہے کہ وہ آئندہ ''شعر کے پردے میں'' سے آگے کا سفر طے کریں گے۔

OOOO

سلیم انصاری
HIG-3, Anand Nagar, Adhartal
Jabalpur

..... ایک سرسری جائزہ .....

شعر کے پردے میں محمد دانش غنی کے تنقیدی مضامین اور تبصروں پر مشتمل ایک ایسی کتاب ہے جس میں الطاف حسین حالی، اقبال، حسرت موہانی اور جگر سے لے کر عہدِ حاضر کے تخلیق کاروں میں ظفر کلیم، شکیب غوثی، نذیر فتح پوری، شمیم طارق، ساحر شیوی اور حیدر بیابانی تک مضامین کی ایک خوبصورت کہکشاں سجائی گئی ہے۔اس سے قبل تنقیدی اور ادبی مضامین پر مشتمل ان کی ایک نثری کتاب ''رنگ و آہنگ'' کے عنوان سے ۲۰۱۴ میں شائع ہو کر ناقدینِ شعر و ادب سے خراجِ تحسین حاصل کر چکی ہے۔اس اعتبار سے دیکھیں تو دانش غنی کے یہاں ادبی مطالعات کا کا گہرا شعور ہے اور ان میں ایک طرح کا تواتر اور تسلسل ہے، جو عصری ادب کے کسی بھی سنجیدہ طالب علم اور ناقد کے لئے سود مند ہے۔

مجھے دانش غنی کی ایک یہ بات بہت اچھی لگتی ہے کہ ان کے یہاں ان تخلیق کاروں اور قلمکاروں پر بھی تجزیاتی اور تبصراتی مضامین لکھنے کا رجحان موجود ہے جنہیں ہمارے سکہ بند نقاد آسانی سے نظر انداز کر دیتے ہیں۔زیرِ نظر کتاب میں انہوں نے کلاسیکی ادب کا مطالعہ بھی پیش کیا ہے اور نئے ادب کا بھی خاطر خواہ تجزیہ کیا ہے، یہی نہیں انہوں نے اپنی نسل کے جینوئن تخلیق کاروں کی ادبی جہت و رفتار پر بھی خامہ فرسائی کی ہے اور اپنے گردو پیش تخلیق ہونے والے ادب کو بھی اپنی ترجیہات میں شامل کیا ہے، جس کے سبب ان کے مطالعات کا کینوس نہ صرف وسیع ہو گیا ہے بلکہ ان میں ایک طرح کا تنوع بھی پیدا ہو گیا ہے۔

دانش غنی کے تنقیدی اور ادبی رویوں پر اپنی رائے اظہار کرتے ہوئے ڈاکٹر شرف الدین ساحل نے لکھا ہے کہ انہوں نے اپنے تنقیدی عمل میں ہر شاعر کی مثبت سوچ اور ان کے الفاظ کی حرمت کا صدقِ دل سے احترام کیا ہے اور تعصب و نفرت سے دور رہ کر ان کے فکر فن کا احتساب کیا ہے۔حقانی القاسمی کے مطابق محمد دانش غنی ایک باشعور ناقد اور زیرک ناقد ہیں، معاصر ادب اور اس کے رجحانات پر ان کی اچھی نظر ہے، ان کی ادب فہمی پر شاید ہی کسی کو شک ہو۔دانش غنی کے حوالے سے دو مستند نقادوں کے یہ حوصلہ بخش کلمات ان کی کشادہ ذہنی کا ثبوت ہیں۔

زیرِ نظر کتاب ''شعر کے پردے میں'' میں شامل مضامین کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ دانش غنی موجودہ تنقیدی منظر نامے پر اپنی انفرادی شناخت بنانے کی صلاحیت رکھتے ہیں، اس کے علاوہ ہمارے کلاسیکی ادب سے بھی ان کا علاقہ گہرا ہے، ساتھ ہی نئے شعری منظر نامے پر ابھرنے والے تخلیق کاروں کا اعتراف کرنے میں بھی وہ کسی مصلحت کا شکار نہیں ہیں۔کتاب میں جو مضمون سب سے پہلے شامل کیا گیا ہے وہ مولانا الطاف حسین حالی کی اصلاحی شاعری سے متعلق ہے جس میں انہوں نے یہ لکھا ہے کہ مولانا حالی پابند نظم کے شاعر ہیں اور ان کے موضوعات بھی محدود ہیں مگر ان میں تازگی اور وقت کی پکار ہے، عصری تقاضے اور ضروریات ہیں۔اس کے بعد انہوں نے محسن کاکوروی کی نعتیہ شاعری کا تفصیلی جائزہ لیا ہے اور یہ بات بڑی وضاحت سے بیان کی ہے کہ محسن کاکوروی کے یہاں نعت میں ہندی اور سنسکرت کی سیکڑوں اصطلاحات ملتی ہیں جو نعت میں غالباً پہلی بار استعمال ہوئی ہیں۔ان کے بلیغ استعاروں میں اسلامی اور ہندی ماحول کا حسین امتزاج پایا جاتا ہے۔

علامہ اقبال کی شاعری اور فلسفیانہ جہتوں پر اب تک بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور صدیوں تک لکھا جاتا رہے گا مگر دانش غنی نے اس کتاب میں اقبال کو بچوں کے شاعر کی حیثیت سے اپنے طور پر دریافت کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے اور وہ یہ کہنے میں حق بجانب بھی ٹھہرتے ہیں کہ اگرچہ اقبال کے یہاں بچوں کے حوالے سے شعری مواد نسبتاً کم ہے مگر اس کی اہمیت اور افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ہندوستان کی تحریکِ آزادی میں محمد علی جوہر کی خدمات سے کون واقف نہیں مگر کم لوگ ہی جانتے ہیں کہ وہ اردو کے ایک قابلِ ذکر شاعر بھی تھے، خصوصاً کربلا کے حوالے سے ان کے بعض اشعار ان کے نام کے بغیر ہی بہت مشہور ہیں۔دانش غنی نے محمد علی جوہر کی شاعری پر شامل اپنے مضمون میں ان کے کئی اشعار نقل کئے ہیں جن میں کئی اشعار تو ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔اس کتاب میں جگر اور ساحر لدھیانوی کی شاعری کے حوالے سے بھی

مضامین شامل ہیں۔جن میں جگر کر بارے میں یہ بات لکھی گئی ہے کہ وہ اپنے وقت میں مشاعروں کے مقبول ترین شاعر تھے،ایک بار مشاعروں میں شرکت کے لئے نکلتے تو دو دو ماہ تک گھر واپس نہ آتے،جب کہ ساحر ایک ترقی پسند رومانی شاعر تھے۔

اپنے مضمون غنی اعجاز کی غزل میں دانش غنی نے یہ انکشاف کیا ہے کہ ان کی شخصیت میں برار کی کالی اور چکنی مٹی کی بو باس رچی ہوئی تھی لہٰذا ان کی غزل کلاسیکی طرزِ اظہار کی حامل ہے لیکن انہوں نے اپنی غزل میں مشاہدے اور تجربے کے جو رنگ بھرے ہیں اور اظہار میں تاثر جگانے کی جو کاوش کی ہے وہ انہیں جدیدیت کے زمرے میں شامل کرتی ہے۔بشر نواز کا شمار جدیدیت کے صفِ اول کے ایسے تخلیق کاروں میں ہوتا ہے جنہوں نے عملی طور پر جدیدیت کی تحریک کو فروغ دینے کا کام کیا ہے،وہ اب ہم میں نہیں مگر ان کے بغیر جدید شاعری پر ہونے والی کوئی بھی گفتگو نامکمل ہی رہتی ہے،دانش غنی نے بشر نواز کی شاعری پر بھی ایک مضمون شاملِ کتاب کیا ہے اور ان کی شاعری کا تفصیلی مطالعہ کر کے اپنا تجزیہ پیش کیا ہے،ان کے مطابق بشر نواز کے یہاں نئے شعری پیکر اپنی پوری توانائی اور تابناکی کے ساتھ موجود ہیں جس کے لئے وہ یقینی طور پر قابلِ مبارک باد ہیں۔

ناطق گلاؤٹھوی کے قابلِ قدر شاگرد خضر ناگپوری کی شاعری پر گفتگو کرتے ہوئے ان کے مجموعۂ کلام کے حوالے سے یہ نقل کیا ہے کہ ان کی شاعری انسانی درد اور خلوص مندی سے رچی ہوئی ہے۔اسی طرح قاضی فراز احمد کی شاعری سے مکالمہ کرتے ہوئے دانش غنی نے انہیں خطۂ کوکن کا ایک مستند اور مستحکم شاعر قرار دیا ہے۔زیرِ نظر کتاب میں ایک اہم مضمون شمیم طارق کے ضرب المثل اشعار کے حوالے سے بھی شامل ہے جس میں انہوں نے شمیم طارق کے ان اشعار کی کی نشاندہی کی گئی ہے جو اپنی برجستگی اور بے ساختگی کے سبب بہت مشہور ہوئے،اگرچہ شمیم طارق اپنے تنقیدی اور تحقیقی کارناموں کے سبب ایوانِ ادب میں ایک اعلیٰ اور منفرد مقام رکھتے ہیں مگر وہ ایک بہت عمدہ شاعر بھی ہیں۔دانش غنی نے ان کی شاعری پر کارآمد گفتگو کی ہے اور یہ وضاحت بھی کی ہے کہ شمیم طارق کو زبان و بیان پر اتنی قدرت حاصل ہے کہ وہ پازیب اور سلاسل دونوں کی جھنکار کو جیسا چاہتے ہیں ویسا بیان کر لیتے ہیں۔میرے نزدیک جہاں تک میں نے شمیم طارق کی غزلیں پڑھی ہیں ان کے یہاں فکری اور معنوی تہداری کے علاوہ ان کا ایک مخصوص ڈکشن بھی ہے جو انہیں دوسروں کے مقابلے میں ممتاز کرتا ہے۔ساحر شیوی کا تعلق بھی کوکن کے علاقے سے ہی ہے اور وہ ایک کثیر الجہت فنکار ہیں،غزل اور نظم کے علاوہ انہوں نے قصیدہ،مرثیہ،ہائیکو،ماہیے اور دوہوں وغیرہ پر بھی طبع آزمائی کی ہے،ان کی شاعری پر اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے دانش غنی نے تحریر کیا ہے کہ مجموعی طور پر ساحر شیوی کی نظموں اور غزلوں پر کلاسیکی شاعری کا انداز،لب و لہجے اور آہنگ کے گہرے اثرات دیکھے جا سکتے ہیں۔جن لوگوں نے بھی ساحر شیوی کی شاعری کا مطالعہ کیا ہے ان کے پاس دانش غنی کی رائے سے اتفاق نہ کرنے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

''شعر کے پردے میں'' ایک ایسی کتاب ہے جس میں کئی نسلوں،کئی عہد اور متعدد ادبی تحریکوں سے وابستہ فنکاروں پر گفتگو کی گئی ہے،نذیر فتح پوری کی شناخت اسباق کے مدیر کی حیثیت سے ہی نہیں ہے وہ بیک وقت ایک شاعر،محقق،تنقید نگار،مترجم،صحافی اور نثر نگار ہیں،ان کی ادبی شخصیت بہت بلند اور کثیر الجہت ہے۔یہی نہیں وہ ایک بے حد مخلص اور ملن سار انسان بھی ہیں۔ اپنے مضمون میں نذیر فتح پوری کی غزلوں پر دانش غنی نے نہایت عمدہ اور کارآمد گفتگو کی ہے۔ان کے مطابق نذیر فتح پوری کی غزل میں اعتدال،توازن اور شاعرانہ محاسن کے ساتھ سچے جذبات کی عکاسی بھی ہے۔ان کے کلام کی دلکشی کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ انہوں نے قدیم روایتی لفظیات اور علائم سے معنی کی ایک نئی دنیا آباد کی ہے۔

ظفر کلیم جدید شعری منظر نامے کا ایک معتبر چہرہ ہیں ان کا شمار ودربھ میں جدید شاعری کے سرخیلوں میں ہوتا ہے۔دانش غنی نے ان کی شاعری کا خوبصورت جائزہ لیا اور یہ بتانے میں کامیاب رہے ہیں کہ ان کی غزل میں علائم اور رموز کا ایک سمندر موجود ہے جس سے انہوں نے عصری احساس کے ساتھ زندگی کے مختلف تجربات کی بہترین عکاسی کی ہے۔زیرِ نظر کتاب میں شکیب غوثی،سعید کنول تاج الدین شاہد،حیدر بیابانی اور اقبال سالک وغیرہ کی شاعری پر بھی ادبی تبصرے شامل ہیں،جو قابلِ مطالعہ ہیں۔اس کے علاوہ تحقیق کے عنوان سے ایک ذیلی باب بھی قائم کیا گیا ہے جس میں کوکن کے اردو لوک گیت،ودربھ میں جدید غزل اور رتناگیری کی شعری روایات کے عنوان سے مضامین قلم بند کئے گئے ہیں۔اس میں کوئی شک نہیں کہ جب ناگپور سے عبدالرحیم نشتر نے ایک ادبی پندرہ روزہ ودربھ نامہ جاری کیا تو اس علاقے کے جدید شعرا کو ایک ایسا پلیٹ فارم میسر ہوا جس سے ان کی تخلیقات ہندوستان بھر کے ادبی حلقوں میں متعارف ہوئیں۔ودربھ نامہ نے کئی نئے شعراء کی شناخت میں بھی اہم رول ادا کیا ہے۔اپنے مضمون رتناگیری کی شعری روایت میں دانش غنی نے اس علاقے کے شعراء کا تعارف کرایا ہے اور اس طرح رتناگیری کا قرض بھی ادا کر دیا ہے۔

مجموعی طور پر کتاب شعر کے پردے میں نئی نسل کے ایک سنجیدہ ناقد کا

(بقیہ صفحہ 37 پر)

ابرار نغمی
رائسین (ایم پی)

وارداتِ قلب کا جمالیاتی شاعر: مسعود اختر ناروی

غزل اپنے ابتدائی دورف سے ہی اردو شاعری کی محبوب صنف رہی ہے۔عصرِ حاضر میں شاید ہی کوئی ناقد یا قاری غزل کی محبوبیت سے انکار کرے۔آج غزل کی جادوگری سے سبھی مسحور نظر آتے ہیں۔غزل اپنی سحر آفرینی کی بدولت اردو شاعری کے دیگر اصناف کے مقابلے میں اپنا ایک مخصوص مزاج رکھتی ہے۔آج اردو غزل اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ نہ صرف جلوہ گر ہے بلکہ اس کا دامن اتنا وسیع ہو چکا ہے کہ اس میں ہر طرح کے مضامین وموضوعات کا احاطہ بڑی خوش اسلوبی سے کیا جارہا ہے۔مگر غزلیہ شاعری اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ شعور وفکر کے اعماق میں اتر کر شعر کی تخلیق کی جائے۔

غزل کی اس تمہیدی گفتگو کے بعد جب ہماری نظر ۱۹۸۰ء کی دہائی کے اہم اردو شعراء پر پڑتی ہے تو ان میں ایک نام مسعود اختر ناروی کا بھی آتا ہے۔مسعود اختر ناروی شاعری کے حوالے سے کسی تعارف کے محتاج نہیں۔سخن سازی اور شعر فہمی ان کو وراثت میں ملی ہے۔'' تنویرِ سحر'' ان کا شعری مجموعۂ کلام ہے جو غزلوں، نظموں اور چند قطعات پر مشتمل ہے۔جس میں مسعود اختر کی زندگی کے تلخ وشیریں تجربات ومشاہدات شعری رنگ وآہنگ میں اس طرح نمودار ہوتے ہیں کہ بہت سے مسائل و موضوعات کے در وا ہو جاتے ہیں۔اوران دریچوں سے ایسی ملی جلی عنبر فشاں ہوائیں آتی ہیں جو صرف معطر ہی نہیں ہوتیں بلکہ ان صرصر کرتی ہواؤں میں شمیمیت وبرودت اور مسرت وفرحت کے ساتھ سمومیت وتیزابیت اور غم گینیت جیسے عناصر بھی محلل ہوئے ہیں اور ان بادِ نسیم اور بادِ صبا کی سائیں سائیں کرتی صداؤں میں ایسے پیکروں کی تشکیل ہوتی ہے جو ہماری خارجی اور داخلی، حقیقی ومجازی، زمینی اور دورِ حاضر کی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ ان کے اشعار میں زندگی کی رمق وشفق اور رجائیت کا حسین امتزاج پایا جاتا ہے۔جس میں ایک حساس اور باشعور اور بالیدہ ذہن کے پروردہ فنکار کی گونج سنائی دیتی ہے۔میں سمجھتا ہوں جب اشعار میں شعور اور حساسیت کی مضبوط اور پختہ آواز سنائی دے تو وہی آواز آفاقیت اور انفرادیت کا لبادہ اوڑھ لیتی ہے جس میں فنکار کے ذاتی تجربات ومشاہدات ہی شامل ہوتے ہیں۔مسعود اختر نے فکر اور شعور کے اعماق میں اتر کر مختصر مدت میں ہی اپنی شاعرانہ بصیرت کا جواز فراہم کر دیا ہے۔منفرد لب ولہجہ کا یہ شاعر اپنی ادبی وشعری شناخت کو مستحکم کرنے کی تگ ودو میں آج بھی سرگرم ہے۔چند اشعار کی روشنی میں ان کی شاعرانہ بصیرت کی تصدیق کی جاسکتی ہے۔ملاحظہ فرمائیں:

سمٹ کے آ گئیں اب ذہن میں تری یادیں۔ ہم اپنے دور کا یہ لیجے گلہ نہیں کرتے
مرے جنوں پہ تبسم ہے اس لیے شائد۔کوئی کمی مری وحشت میں پائی جاتی ہے
ڈر ہے کہ اس سے مل کے نہ کھو جائیں خود کہیں۔ اپنا ہی اعتماد لرزتا دکھائی دے
ہیں منتشر جو یہ اوراق زندگانی کے۔الٹ کے دیکھئے لکھا ہوا ہے کیا کہیے
اختر میں اپنی بات زمانے سے کیا کہوں۔اب تو کسی سے کوئی شکایت نہیں مجھے
اندھیرے دور کا اظہار حرفِ بے جا ہے۔نئی سحر ہوں' نئے دور کی پکار ہوں میں

مسعود اختر کے مجموعۂ کلام ''تنویرِ سحر'' پر معروف مشاہیرِ ادب پروفیسر عمر حیات خاں غوری' ڈاکٹر فخر الکریم صدیقی' احتشام صدیقی' احترام اسلام اور رہبر جونپوری نے بڑے محتاط انداز میں اپنی آرا کا اظہار کیا ہے۔بقول عمر حیات خاں غوری' مسعود اختر غزل کے شاعر ہیں۔ڈاکٹر فخر الکریم صدیقی کی رائے میں ان (مسعود اختر) کی شاعری اعتدال پسندی اور صاف گوئی کی بہترین مثال ہے۔احتشام صدیقی کے خیال میں مسعود اختر کی شاعری جدید اور قدیم روایت کا حسین امتزاج ہے۔جب کہ احترام اسلام نے مسعود اختر کو مثبت اقدار کا رومانی شاعر تسلیم کیا ہے۔رہبر جونپوری کی رائے میں مسعود اختر کی شاعری میں جذبات کم اور احساس کی فراوانی زیادہ ہے۔میری رائے میں مسعود اختر وارداتِ قلب کے جمالیاتی شاعر ہیں کیوں کہ ان کی غزلوں میں عشقیہ جذبات اور تغزل کا عنصر غالب ہے۔ان کے یہاں تغزل کے بہترین دلکش اشعار سحر آگیں کیفیت پیدا کرتے ہیں۔چند اشعار ملاحظہ ہوں،

صبح کی انگڑائیوں میں بھی مخالف تھی نسیم۔کب نگاہِ شبنمی سے دل کے دروازے کھلے
یوں نہ آنکھیں چرایئے مجھ سے۔ ہو نہ جائے کہیں نظر گستاخ
میں نے چاہا تھا بیاں کردوں دل کے واقعات
پھر گئے ان کی نگاہِ شبنمی کے دائرے

ایسانہیں کہ مسعود اختر دنیائے لب ورخسار کی رنگینیوں میں کھوکر اپنے اردگرد کے حالات سے اور واقعات سے بے خبر رہے ہوں ۔اپنے عہد میں گذرنے والے سیاسی انقلابات ،سماجی تغیرات اور معاشرتی تبدیلیوں سے انہوں نے چشم پوشی نہیں کی ہے ۔عصرِ حاضر کی زندگی کے کرب کو اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھا اور محسوس بھی کیا ہے ۔نیز جس موثر انداز میں اپنے اشعار میں ڈھالا ہے وہ ہمیں سوچنے پر مجبور کرتا ہے ۔مسعود اختر زمانے کے سرد وگرم سے گذر رہے ہیں۔ زندگی کے تلخ حقائق ،مسائل ومصائب سے بھی نبرد آزما رہے ہیں ۔مگر موصوف مضبوط قوتِ ارادی' استقلال' صبر وضبط اور بلند حوصلہ شاعر ہیں ۔اس لیے ان کے اشعار میں قنوطیت' مایوسی اور نامرادی کے اندھیروں کی بجایے رجائیت کے اجالوں کی کرنیں جابجا بکھری نظر آتی ہیں ۔وہ اپنے عزم وحوصلہ کے سہارے مشکلات کے تیرہ وتاریک صحرا کو بہ آسانی پار کر جاتے ہیں۔

آؤ کہ شبِ غم کے اندھیرے ہی مٹادیں
آگے مری ہمتکی سحر ناچ رہی ہے
ایک مدت ہوئی ظالم کے مظالم سہتے
آؤ اس ظلم کی بنیاد ہلا دی جایے
زندگی بارِ گراں کیسے ہو میرے واسطے
وقت کی دھندلی فضا کو جگمگا سکتا ہوں میں
گزر رہا ہے ہوائے سموم کا موسم
وہ دورِ عیش ومسرت بھی آنے والا ہے

شاعر چونکہ امن ومحبت' قومی یکجہتی' اتحادِ ملی اور بقایے باہم کے ارفع جذبات اپنے دل میں رکھتا ہے اس لیے اسے پیغامبرِ امن وآشتی بھی کہا جاتا ہے۔ مسعود اختر بھی ان تعمیری جذبات کے حامل ہیں ۔اس لیے وہ خلوص ومحبت' فرقہ وارانہ ہم آہنگی اور قومی یکجہتی کا پرچم بلند کیے نفرت' تنگ نظری' تعصب' فرقہ پرستی جیسی ناہموریوں پر نشتر زنی کرتے نظر آتے ہیں:

وہ قومی اتحاد کا دشمن ہے سر بسر ۔جو بدنصیب ملک میں فرقہ پرست ہے
دلوں سے آج ہر اک تفرقہ مٹا کے جئیں ۔خلوص ومہر ووفا کے دیے جلا کے جئیں
ہر طرف پھیلا ہوا ہے تلخیوں کا کاک دھواں
آگ نفرت کی بجھاؤ سادگی سے دوستو

جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں کہ مسعود اختر ایک حساس طبیعت اور دلِ دردمند رکھنے والے انسان ہیں ۔اس لیے عہدِ حاضر کی دکھ درد کی ماری ہوئی افلاس زدہ زندگی اور سسکتی ہوئی انسانیت انھیں مضطرب کر دیتی ہے اور وہ بے ساختہ کہہ اٹھتے ہیں:

یہ دور وہ ہے کہ انسانیت سسکتی ہے۔ ہر ایک روح تڑپتی ہے مسکرانے کو
مجھ سے پوچھو کس طرح گذری ہے ساری زندگی
سیکڑوں تھے بارِ غم اور ایک دل دیوانہ تھا
زندگی اپنا لہو کس کس کو دے کر خوش کرے
گردشوں پر گردشیں ،حادثوں پر حادثے

مسعود اختر کسی سماجی تحریک کے علمبردار نہیں اور نہ ہی کسی خاص نظریئے یعنی ازم کے حامی ہیں پھر بھی وہ کسی حد تک ترقی پسندی سے متاثر نظر آتے ہیں اور اسلوب وبیان کی بہ نسبت نفسِ مضمون اور مقصدیت کو ترجیح دیتے ہیں ۔ان کی شاعری کی زبان غزل کی رچی بسی ہوئی سادہ اور سلیس ہے ۔اس لئے ان (مسعود اختر) کے یہاں ترسیل کا کوئی مسئلہ نہیں ہے کیوں کہ ان کے اشعار فارسی تراکیب ،صنعتوں کے استعمال ،مشکل الفاظ اور مبہم استعاراتی نظام سے پاک وصاف ہیں اور وہ قاری یا سامع تک اپنی بات کلیتًا پہنچانے میں کامیاب نظر آتے ہیں ۔فنی اعتبار سے بھی ان کے کلام نقائص سے پاک ہیں۔

شاعر اپنی زندگی کی تصویر میں رنگ ہی نہیں بھرتا بلکہ اپنی ذات کی تعمیر میں بھی منہمک رہتا ہے ۔میری نظر میں اپنی ذات کی تعمیر کرنا آسان نہیں ہے۔ مسعود اختر دورِ حاضر کے ایسے شعراء میں شمار کئے جاتے ہیں جو اپنی ذات کی تعمیر کرنے کا ہنر جانتے ہیں ۔جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں کہ مسعود اختر بنیادی طور پر غزل خصوصاً وارداتِ قلب کے جمالیاتی شاعر ہیں ۔غزل کے ایوان میں ان کی آواز ایک منفرد ارتعاش پیدا کرتی ہے ۔ان کی غزلوں میں سماج کو سمجھنے ،اس کے تشدد کی بنیاد تک پہنچنے اور اس کے آشوب سے نکلنے کے رویئے بہت نمایاں ہیں ۔یہ حقیقت پسندانہ فکر ان کے یہاں تجربے اور مشاہدے سے آئی ہے ۔ان کی غزلوں میں فنی جمالیاتی فضا ہموار نظر آتی ہے ۔ان کے کلام میں اعتدال پسندی ،تہہ داری اور تنوع کا ایسا حسین امتزاج ہے جس کا ادراک ہر بالغ نظر قاری وناقد کو ہے ۔اسی بنیاد پر میں نے مسعود اختر کو منفرد لب ولہجہ کا تجربے کار شاعر تسلیم کیا ہے ۔آخر میں رئیس الدین رئیسؔ کے خود اعتمادی سے مملو درج ذیل شعر پر اپنی بات ختم کرتا ہوں۔

رئیسؔ اتنی بھی شہرِ فن میں بے صبری نہیں اچھی
ریاضت جب کرو گے تم تو فنکاری بھی آئے گی

☆☆☆

ندرت نواز
Nikhatkada.KUndMohalla
DaltonGamj.Palamu-822101
Jharkhand

خاموش غازیپوری کا فن

دنیائے شعروادب میں خاموش غازیپوری کو ایک منفرد اور اعلیٰ مقام حاصل ہے۔ اپنی شاعری کی بدولت انھوں نے لوگوں کے دلوں پر راج کیا اور عوامی مقبولیت حاصل کی۔ ان کا تعلق اردو کے کلاسیکی دبستان سے تھا۔ اس لیے زبان کی صحت اور سلاست ان کی شاعری کی پہچان ہے۔ کلام میں رمزیت کی بجائے صاف گوئی پائی جاتی ہے۔ اس کے باوجود تہہ داری سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا۔ مگر ترسیل وابلاغ کا مسئلہ کہیں بھی پیدا نہیں ہوا ہے۔ عام فہم لفظوں میں اس قدر پرکشش شعر کہہ جاتے کہ قاری متاثر ہوئے بنا نہیں رہ سکتا تھا۔

میرے پیش نظر ان کا مجموعۂ کلام ''نوائے خاموش'' ہے جسے ظہیر غازیپوری مرحوم اور بزمِ خاموش نے ۱۹۸۰ء میں شائع کروایا تھا۔ اس میں شعاعِ نظر کے تحت غزلیں، فکرِ پریشاں کے عنوان سے نظمیں اور گردِسفر کے عنوان سے قطعات شامل ہیں۔

ان کے کلام پر اظہارِ خیال سے پہلے یہ بتادوں کہ ان کا اصل نام مظفر حسین تھا اور والد کا نام منور علی۔ ۲۰؍جولائی ۱۹۲۲ء سنہ ولادت اور ۱۱؍اکتوبر ۱۹۸۱ء سنہ وفات ہے۔ فارسی اور اردو کی تعلیم ہائی اسکول میں حاصل کی اور جامعۂ اردو اعلی گڑھ سے ادیب ماہر کا امتحان پاس کیا۔ اس کے بعد چشمۂ رحمت اورینٹل کالج غازیپور میں مدرسی کی۔ آپ کا شعری سفر ۱۹۵۴ء میں شروع ہوا۔ حضرت شرر مچھلی شہری سے شرفِ تلمذ حاصل تھا۔ ان کے انتقال کے بعد مولوی ابوالغوث سے اکتسابِ فیض کیا۔ شاعری کی ابتدا غزل سے کی۔ اس کے بعد دیگر اصنافِ سخن میں بھی طبع آزمائی کرنے لگے۔ کلام میں صلابتِ فکری، اثر آفرینی، سلاست وروانی پائی جاتی ہے۔ حسنِ خیال کے ساتھ ساتھ لفظوں کا برملا استعمال ان کی شاعری کی خصوصی علامت ہے۔ کلام میں حزنیہ لے نمایاں ہے۔ یہی وہ لے ہے جو کسی بھی فنکار کو دوسروں سے ممیّز کرتی ہے۔ غمِ ذات کے علاوہ اس میں غمِ کائنات کی دھڑکنیں بھی سنی جاسکتی ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:۔

ہماری بے کیف زندگی میں وہ پہلی سی دلکشی نہیں ہے
چراغ جلنے کو جل رہا ہے مگر کوئی روشنی نہیں ہے

☆

نہ حسرتیں ہیں نہ آرزوئیں، بجھی پڑی ہیں تمام شمعیں
یہی تو موقع ہے چھپ کے آجا کہ بزمِ دل میں کوئی نہیں ہے

☆

ذرا سی رونقِ محفل کے واسطے خاموشؔ
تمام رات پتنگے جلائے جاتے ہیں

☆

آنکھ میں آنکھ ڈال کے درد کو دل بنا دیا
چین سے سو رہا تھا میں کس نے مجھے جگا دیا

دو قطعات بھی نموناً پیش ہیں:۔

بھیگ جاتی ہیں جو پلکیں کبھی تنہائی میں
کانپ اٹھتا ہوں مرا درد کوئی جان نہ لے

☆

یہ بھی ڈرتا ہوں کہ ایسے میں اچانک کوئی
میری آنکھوں میں تجھے دیکھ کے پہچان نہ لے

☆

گر تبسم ہے ہونٹ پر لیکن
آنسوؤں کی بھی ایک قیمت ہے

☆

زندگی میں سکون مل نہ سکا
درد ہی مل گیا غنیمت ہے

ان کے کلام کی خاص طور دو خصوصیات ایسی ہیں جو دامنِ دل کھینچ لیتی ہیں اور فنکار کو ابدیت بخشتی ہیں۔ مثلاً یہ شعر دیکھیں:۔

ہم لاکھ آشیاں کی حفاظت کریں مگر
بجلی وہیں گرے گی جہاں آشیاں رہے

دوسری خصوصیت ان کی رجائیت پسندی ہے۔ کہتے ہیں:۔

غم کی جب دھوپ کھلے گی تو سنور جاؤں گا
ترا چہرہ میں نہیں ہوں کہ اتر جاؤں گا

☆

میں وہ سورج ہوں نہ ڈوبے گی کبھی جس کی کرن
رات ہو گی تو ستاروں میں بکھر جاؤں گا

☆

میں وہ ہوں جب سفینے پر کوئی خاموش آنچ آئی
تو ہر ساحل پہ اک طوفان برپا کر دیا میں نے

گردشِ زمانہ کے اتار چڑاؤ کے ساتھ ساتھ ان کی غزلوں میں جمالیات کی ٹھنڈی شبنم کا احساس بھی ہوتا ہے۔ جمالیات کا حس فطری ہے جو ہر انسان میں پایا جاتا ہے۔ شاعر حساس ہونے کی بنا پر اس میں یہ حس اور بھی نمایاں نظر آتا ہے۔ اس قبیل کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:۔

ہوا جازت تو دو گھڑی سو لوں ۔ تیری آنکھوں کی خواب گاہوں میں

☆

یہ ربطِ محبت بھی کیا ربطِ محبت ہے۔ دل ان لکا وہاں دھڑ کا آواز ادھر آئی

☆

روک اپنی جوانی کی بے تاب اداؤں کو
اڑ جایے نہ لے کر بھی تجھ کو تری انگڑائی

☆

تم اپنی زلف کی کچھ چھاؤں دے دو۔ کہ میں کچھ دیر سونا چاہتا ہوں

☆

یہ چاند تماہرے رخِ روشن سے حسیں ہے
یہ سچ ہے مگر اس میں نزاکت کی کمی ہے

☆

اے مری جانِ غزل تیری اجازت ہو اگر
دل کی دھڑن ترے قدموں میں بچھادی جایے

ہر دور کا ادب اپنے وقت کا عکاس ہوتا ہے۔ اس میں جمالیات کی بعض قدریں زمان و مکاں کی حد بندیوں کو توڑ کر بقائے دوام حاصل کر لیتی ہیں۔ اور یہ جمالیاتی قدریں خاموش صاحب کے کلام میں بدرجۂ اتم پائی جاتی ہیں۔ زندگی کے عمیق مشاہدات اور تجربات کی بھٹی میں تپ کر ان کی شاعری کندن بن چکی ہے۔ وہ گہری اور بڑی باتیں نہایت ہی سلیس، سادہ اور عافہم زبان میں کہہ جاتے ہیں۔ بقول رشید احمد صدیقی: ''غزل اردو شاعری کی آبرو ہے''۔ لیکن میرے خیال میں غزل صرف آبرو ہی نہیں جبر و ظلم کے خلاف علمِ بغاوت بھی ہے۔ یہ جبر سماجی ناانصافی کا بھی ہے، معاشرتی ناہمواریوں کا بھی اور مذہبی تعصب کا بھی۔ خاموش صاحب کی شاعری انھیں ناہموریوں کی آئینہ دار ہے۔ ساتھ ہی ساتھ وہ جرأت و حوصلہ کا پیغام بھی دیتے ہیں:

عروسِ انقلاب کو سنوارتے رہیں گے ہم
کلی کلی کو جنگ پر ابھارتے رہیں گے ہم
چمن کو اپنے خون سے نکھارتے رہیں گے ہم
ہزار بندشوں میں بھی پکارتے رہیں گے ہم
کہ زندگی کے آفتاب آج تک گہن میں ہیں
کہ سیکڑوں چمن فروش ابھی تک اس چمن میں ہیں

ان کی نظم ''فرقہ پرستوں اور وطن پرستوں کے نام'' سے دو بند ملاحظہ فرمائیں:۔

ہندوستان زمین کی جنت ہے دوستو
اس کی روش روش میں لطافت ہے دوستو
یہ زندگی وطن کی امانت ہے دوستو
ہم کو بھی اس چمن سے محبت ہے دوستو
ہم بھی گزر چکے ہیں وفاؤں کی راہ سے
کیوں دیکھتے ہو تم ہمیں شک کی نگاہوں سے

☆

حیدر علی کی تیغ کی جھنکار یاد ہے
شیرِ دکن کی جرأتِ پیکار یاد ہے
ٹیپو کے عزمِ شوق کی للکار یاد ہے
شاہِ ظفر کا آج بھی ایثار یاد ہے
کیا جذبۂ وفا تھا کہ سب کچھ لٹا دیا
لیکن کسی نے نے ملک کا سودا بنا دیا

مجموعی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ خاموش کی شاعری سلاست و سادگی کے ساتھ ساتھ تہہ دار بھی ہے اور ان کی صلابتِ فکری کی آئینہ دار بھی۔ روایت کی پاسداری کرتے ہوئے انھوں نے اپنی شاعری کو عصری حسیت سے بھی ہمکنار کیا ہے جس کی معنویت آج بھی برقرار ہے۔ بلاشبہہ ان کا یہ شعری مجموعہ لائقِ مطالعہ ہے۔

☆☆☆

غزلیات

پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی
Kohsar.Bhiknpur-3
Bhagalpur-812001(Bihar)

نامساعد ہو جو حالات غزل کیسے ہو
دن کو شرمائے اگر رات غزل کیسے ہو
خوں کی آنکھوں میں ہے برسات غزل کیسے ہو
میرے حصے کی ہے سوغات غزل کیسے ہو
وار خالی کسی دشمن کا نہ کوئی جائے
قتل کرتے ہوئے لمحات غزل کیسے ہو
کشتی لے آؤں کنارے تو کنارا بھاگے
بن کے یوں بگڑے جو ہر بات غزل کیسے ہو
چست بندش بھی نہیں تازہ فضا میں مفقود
اور فرسودہ خیالات غزل کیسے ہو
آبرو فن کی مناظرؔ ہے مرے پیش نظر
دل کے جب سرد ہوں جذبات غزل کیسے ہو

ڈاکٹر مسعود جعفری
موبائل۔8367391303

بہانہ دور ہی جانے کا کرتا رہتا ہے
ہمیں سے ہاتھ ملانے کو ڈرتا رہتا ہے
ہمارے بارے میں منفی ہی سوچتا ہے بہت
وہ اپنے آپ کی تعریف کرتا رہتا ہے
وہ ڈھونڈتا ہے مجھے گاؤں کے کنارے پر
بدن کی پیاس بجھانے کو مرتا رہتا ہے
کہیں وہ ڈوب نہ جائے ندی کے پانی میں
وہ اپنا پاؤں بھی پانی میں دھرتا رہتا ہے
ہمیں بچانے مہرتاب کی شعاوں سے
ہمیں پہ زلفِ پریشاں بھی دھرتا رہتا ہے
گلاب توڑتا رہتا ہے جعفریؔ لیکن
کنوئیں کے ڈول سے پانی بھی بھرتا رہتا

مہدی پرتاپ گڑھی
28-Schoolward.
Partapgarh-230001(U.P)

رابطہ رکھتا ہوں میں اغیار سے
دل کو رغبت ہے بہت آزار سے
بات جو الفاظ سے بن جایے ہے
وہ نہیں بنتی کبھی تلوار سے
ہوش مندی کا تقاضا ہے یہی
رابطہ ہو وقت کی رفتار سے
نرم لہجے میں ہی کرلیں گفتگو
فائدہ کچھ بھی نہیں تکرار سے
زلفِ اردو خود سنواریں کیوں نہ ہم
کوئی خوش فہمی نہ ہو سرکار سے
آپ اپنے ہی میں گم رہتے ہو تم
آج کل رہتے ہو پراسرار سے

عمران راقم
Editor,SOORAT Monthly,Kolkata
Mob-9163916117

لوگ کہتے ہیں کہ بیکار منا لیتے ہیں
سوزِ دشمن کے لیے یار منا لیتے ہیں
روٹھنے والوں کو سو بار منا لیتے ہیں
یعنی بے وقت بھی تہوار منا لیتے ہیں
ان کی عادت ہے ہمیشہ سے بدک جانے کی
اور ہم ہیں کہ ہراک بار منا لیتے ہیں
جب سے احساس جوانی کا ہوا ہے ان کو
عید بھی وہ پسِ دیوار منا لیتے ہیں
روٹھ جاتی ہے جو پازیب کبھی پاؤں کی
اس کو پھر حاملِ جھنکار بنا لیتے ہیں
جو سمجھتے ہیں محبت کو کھلونا راقمؔ
جشنِ بربادی وہ ہر بار منا لیتے ہیں

عبدالحئی پیام انصاری
PiprauliBazar.Dt:Gorakhpur-273212

مصیبت پڑنے پر اظہارِ قدرت کون کرتا ہے
امیدیں ٹوٹ جاتی ہیں تو نصرت کون کرتا ہے
کہاں اب لوگ پہلے آپ پہلے کہتے ہیں
میاں اب آج کل ایسی مروت کون کرتا ہے
میں اپنا رازِ دل تیرے علاوہ کس سے کہتا ہوں
تری محفل میں چرچا میری بابت کون کرتا ہے
یہ شہرت چاہنے والوں کا کاروبار ہے یارو
بنا لالچ زمانے میں سخاوت کون کرتا ہے
لڑانا اور ہم پر راج کرنا کام ہے ان کا
کہ اب اخلاق پر مبنی حکومت کون کرتا ہے
حسد کی آگ میں جلنا مقدر ہے پیامؔ ان کا
خوشی میں میری اظہارِ مسرت کون کرتا ہے

ڈاکٹر نلنی وبھا نازلیؔ
Retd.AssociateProf.
At/P.O:Bhuta.Dt:Hamirpur

نوکِ مژگاں پہ نہ یوں اشک سجایے رکھیے
چشمِ پرنم کو زمانے سے چھپایے رکھیے
یاس کی شب کے یہ لمحات ہیں حملہ آور
آس کی شمع کو بجھنے سے بچایے رکھیے
آپ پردیس میں رہتے ہیں رہیں خوب مگر
جذبۂ حبِ وطن دل میں بسایے رکھیے
ایک معصوم سے بچے کی طرح خوش رہ کر
زیست کی طرز کو آسان بنایے رکھیے
نازلیؔ تیرگی نفرت کی نہ ہونے پایے
ہر طرف پیار کی قیدیل جلایے رکھیے

اختر کاظمی

Arabpur.NearBasantTalkies
Fatehpur-212601(U.P)

دشت وصحرا کے سفر کا دردِ سر اچھا لگا
ہاں مگر جب لوٹ کر آیے تو گھر اچھا لگا
جب مسافر کو ہوئی محسوس سائے کی طلب
راہ میں تنہا کھڑا بوڑھا شجر اچھا لگا
تھا بہت مکروہ سا جب تک خودی میں تھا نہیں
جب خودی میں لوٹ آیا تو بشر اچھا لگا
زندگی میں آیے ہیں لمحات ایسے بھی کبھی
دشمنِ جاں کا دیا دردِ جگر اچھا لگا
وہ حقوق اللہ ہوں، سنت کہ تہذیب وادب
عمر بھر ماں کا سکھایا ہر ہنر اچھا لگا
نقدِ جاں ہے ساتھ اختر تو فضا ہے عطر بیز
زندگانی کا ابھی تک کا سفر اچھا لگا

فیض رتلامی

ZilaAdhhykakEducationSociety
48.Samtanagar(AnandColony)Ratlam
457001(M.P)

یوں تو کوئی نہیں مقام اپنا
پھر بھی تھوڑا بہت ہے نام اپنا
ہاں میں ہاں سب کی کرتے رہتے ہیں
گفتگو میں یہی ہے کام اپنا
پہلے ہم خود سلام کرتے ہیں
سلسلہ یہ صبح و شام کرتے ہیں
وہ کیوں اوروں سے کرتے ہیں اُمید
جو نہیں کرتے احترام اپنا
بے وجہ ہو گئے خفا تو پھر
آپ کو آخری سلام اپنا
فیض رتلامی کہتے ہیں مجھ کو
پیش یہ کردیا سلام اپنا

ڈاکٹر وصی مکرانی واجدی

ٹیپال Mob-8229055737

دنیا میں کوئی کام جو اچھا نہیں کیا
اس کا کبھی کسی نے بھی چرچا نہیں کیا
اپنی خطا پہ آج میں شرمندہ ہوں بہت
جتنا کسی نے آج تک رسوا نہیں کیا
سب کی رہائی ہوگئی مجھ کو سزا ملی
جبکہ گناہ میں نے یہ تنہا نہیں کیا
دیتے ہیں اس کو تمغہ وفاداری کا یہاں
پورا جو اس نے عہد وفا کا نہیں کیا
تہمت لگاتا آیا ہے محبوب پر وہی
جس نے کسی سے عشق ہی سچا نہیں کیا
سب کی نظر میں اس لیے کانٹا بنا رہا
جھوٹوں کے ساتھ بیٹھ کر جلسہ نہیں کیا

اقبال احمد نذیر

K.S.A.GlaxyApartment.10thflFloor
3rd SankliStreet.Mumbai-400008

درد کی راہ میں ہنستی ہے رلاتی ہے ہمیں
زندگی روز نیے خواب دکھاتی ہے ہمیں
تجھ کو سوچیں تو سلگ اٹھتے ہیں آنکھوں کے چراغ
تیری یادوں کی کرن راہ دکھاتی ہے ہمیں
دل کے دروازے پہ چپکے سے وہ دستک دے کر
رات کے پچھلے پہر آ کے جگاتی ہے ہمیں
قلب کی میز پر رکھی ہوئی تصویر تری
قصۂ دردِ محبت کا سناتی ہے ہمیں
ہم ترے ہو کے بھی تیرے نہیں ہو پایے نذیر
بس یہی بات ہمہ وقت ستاتی ہے ہمیں

قاضی انصار

H,No-4,AnupamGasAgency
ShikhsakNagar.Khandwa(M.P)

کیا زمانے کی نظروں کا مفہوم ہے
ہم کو معلوم ہے تم کو معلوم ہے
دل مرا روز ہی کل کی امید پر
ہر خوشی سے ابھی تک تو محروم ہے
کامرانی کی عظمت تمہارے لیے
سر کٹانا مسرت سے موسوم ہے
آج بھی اس جہاں کا لطیفہ ہے یہ
کوئی حاکم ہے اور کوئی محکوم ہے
تو صلیبوں پہ انصار چڑھتا رہا
جذبۂ دوستی پھر بھی معصوم ہے

محمد شوکت علی شوکت

H.No:7-3-108,Kashmirgudda
KarimNagar-505001(T,S)
Mob-8464007318

فتنہ سازی کا ادارہ مجھے منظور نہیں
بربریت کا نظارہ مجھے منظور نہیں
میری کشتی کا محافظ ہے مرا ربِ کریم
ناخدا! تیرا سہارا مجھے منظور نہیں
زندگی سادہ مزاجی سے گزرتی ہے مری
شان و شوکت کا گزارا مجھے منظور نہیں
ظلم بڑھتا ہی گیا برق و شرر کی مانند
شر پسندی کا شرارہ مجھے منظور نہیں
چند سکوں کے عوض میں کبھی بکتا ہی نہیں
''میرے ایماں کا خسارہ مجھے منظور نہیں''
جس سمندر میں نہیں زورِ تلاطم شوکت
اس سمندر کا کنارہ مجھے منظور نہیں

سردار آصف

KakulHouse.NearTubeWell
No-12,Bijlipura
Shajahanpur-242001(U.P)

قصیدہ تو بہت اچھا لکھا ہے
مگر تم نے بہت سستا لکھا ہے
یہ کس نے اشتہاروں پر تمہارے
جدھر دیکھو اُدھر جھوٹا لکھا ہے
بہت مشکل ہے تجھ کو بھیک ملنا
ترے ماتھے پہ شہزادہ لکھا ہے
نجومی نے ہتھیلی چوم لی ہے
مری قسمت میں جانے کیا لکھا ہے
کسی پاگل نے دیواروں پہ گھر کی
نہ جانے کس کو حرافہ لکھا ہے
کئی ملکوں نے تاریخوں کو اپنی
کبھی الٹا کبھی سیدھا لکھا ہے
بتا دینا میں اس سے متفق ہوں
بڑا خود کو مجھے چھوٹا لکھا ہے

ہارون سیٹھ سلیم

Mob-99455171

ناری کا حسن و شباب دیکھو
چہرہ ہے مثلِ گلاب دیکھو
کرو دیکھنے کی سعی بار بار
منظر یہ عالی جناب دیکھو
گرمی کا ہے نہ سردی کا ہے
یہ موسم ہے کیا لاجواب دیکھو
زمانے کے قصے ہوں جس میں رقم
خدارا اک ایسی کتاب دیکھو
ہوئی جس کی شادی بڑی دھوم سے
ہوا اس کا خانہ خراب دیکھو
پری وش سے اپنی نظر جو ملی
ہوا عمر بھر کا عذاب دیکھو
حقیقت کے دیکھو نظارے سلیم
یہ کس نے کہا تم سے خواب دیکھو

شارق ریاض

98,PatwarparaLane
Kolkata-700011
Mob-8902922805

برا جو شخص ہے اچھا دکھائی دیتا ہے
ہرایک چہرے پہ چہرہ دکھائی دیتا ہے
جدھر بھی دیکھیے شعلہ زنی کا منظر ہے
عجیب شہر کا نقشہ دکھائی دیتا ہے
ادائے خاص سے تیرا یہ مجھ کو بہلانا
مجھے تو دال میں کالا دکھائی دیتا ہے
ہرایک رنگ کو اس نے ملا دیا لیکن
تمام رنگ ہی پھیکا دکھائی دیتا ہے
مجھے یقیں ہے وہیں ہے پرانا گھر میرا
جو مجھ کو دور سے ٹیلہ دکھائی دیتا ہے
سسک رہی ہے مری آرزو مرے دل میں
دیارِ عشق میں دھوکا دکھائی دیتا ہے
میں اپنے خواب سے بیزار ہوگیا شارق
نہ جانے خواب میں کیا کیا دکھائی دیتا ہے

ادیبہ صدف

BehindBansalCinema.Choudhrywada
Sikandarabad.BulandShaher-203205
(U.P) Mob-7520220925

اب وہ چہرے بدل کے ملتا ہے
وہ میری زندگی کا چہرہ ہے
عکس میرا ہے آئینے سے الگ
یہ تماشا بھی میں نے دیکھا ہے
انگلیاں میری مہک مہک اٹھیں
نام اس کا جو میں نے لکھا ہے
چبھ رہا ہے جو خار کی صورت
اس کا اھساس پھول جیسا ہے
اس حقیقت کو واقعہ نہ کہو
ایریان رگڑتے پانی نکلا ہے
اس نے اپنا کہا ہے مجھ کو صدف
عشق میں وہ مقام پایا ہے

ڈاکٹر نگار سلطانہ

9F,Ripples.MerlinRiverView
15,Kibitirtha.NearWatganj
PoliceStaion.Kolkata-700023

کتابِ زیست کا اک باب ایسا بن جاؤں
پڑھے جو مجھ کو مکمل کتاب بن جاؤں
تری نظر میں بھی میں لاجواب بن جاؤں
میں اپنی ذات میں اک انتخاب بن جاؤں
اندھیرے کھائیں گے مجھ سے شکستِ فاش ابھی
چرغ گر نہ جلے آفتاب بن جاؤں
خمار اس پہ چڑھے دیکھ کر مری صورت
میں اس کی آنکھوں کے آگے شراب بن جاؤں
یہ تیرے لمس کا اعجاز دیکھنا ہے مجھے
تو مجھ کو چھو لے تو میں بھی گلاب بن جاؤں
یہی تو میری دعا ہے نگار مالک سے
نظر میں اس کی میں عزت مآب بن جاؤں

تنویر تاج

H.No:1-3-35/B,Kashana-E-Sabir
SanjiviaColony.Kagaznagar
Mob-9493109988

ظلمتوں کا ہو اجارہ مجھے منظور نہیں ا
ور اجالوں کا خسارہ مجھے منظور نہیں
ان جہاں والوں کی فطرت میں تضادات مگر
ساتھ شبنم کے شرارہ مجھے منظور نہیں
جس سے تسکین ملے اہلِ جہاں کو یارو
میرے ایماں کا خسارہ مجھے منظور نہیں
دیکھ کر جس کو میری جان پر بن جاتی ہے
جانِ من ایسا اشارہ مجھے منظور نہیں
زر پرستوں کی حمایت جو کرے ہے تنویر
ایسے منصف کا ادارہ مجھے منظور نہیں

رمیش کنول

Law&Order(A.D.M).6.Manglam
ViharColony.JagdeoPath
Patna-800014(Bihar)

میں اپنے ہونٹوں کی تازگی کو تمہارے ہونٹوں کے نام لکھ دوں
حنا سے روشن ہتھیلیوں پر نظر کے دلکش پیام لکھ دوں
اگر اجازت ہو جانِ من تو کتابِ دل کے ہراک ورق پر
میں صبحِ کاشی کی روشنی میں اودھ کی مستانی شام لکھ دوں
بدن پہ ساون کے ہے عبارت' نظر میں دونوں کی ایک چاہت
مرے لبوں کو جو ہو اجازت وفا کا پہلا سلام لکھ دوں
جو دل میں رہ کر ستم پہ مائل اسے ہراک پل دعائیں دوں میں
سلگتے سورج سے دور رکھ کر سکونِ دل کا قیام لکھ دوں
ڈیلیٹ کردوں گا اس کے غم کو میں دل کے لیپ ٹاپ ہی سے
خوشی کے جتنے ملے ہیں ڈیٹا انھیں میں دلبر کے نام لکھ دوں
بہت دنوں تک چلا مقدمہ لو آ گیا اب تو فیصلہ بھی
کنولؔ میں چاہوں گلے لگا کر عدو کے دل میں بھی رام لکھ دوں

ڈاکٹر آفاق فاخری

At/P.O:Jalalpur.Dist:AmbedkarNagar
(U.P)
Mob-9918617576

خوشبوؤں کا جیسے اک قافلہ ہے اور میں ہوں
یوں کسی کی یادوں کا سلسلہ ہے اور میں ہوں
وہ غرور کی حد میں' میں انا کی ہوں زد میں
اس طرح تعلق میں فاصلہ ہے اور میں ہوں
پھر وہ پیاس کا عالم اور وہ دشت کا منظر
زندگی میں جیسے اک کربلا ہے اور میں ہوں
وقت کے غباروں میں اپنی منزلیں گم ہیں
چل رہاں صدیوں سے راستہ ہے اور میں ہوں
اک دیا ہوں مٹی کا کب تلک رہوں روشن
شہرِ بےاماں میں اب یہ ہوا ہے اور میں ہوں
خوف' کربِ تنہائی' قتل و ظلم' مایوسی
اس نئے زمانے کی یہ عطا ہے اور میں ہوں
کیا رہے سلامت اب یہ قبائے جاں آفاقؔ
درد و غم کے طوفاں کی انتہا ہے اور میں ہوں

عبرت مچھلی شہری

MohallKhanzada
P.O:MachhliShaher
Dost:Jaunpur-222143(U.P)

یہ کس نے کہہ دیا تلوار تک تھا
عروج اپنا تو بس کردار تک تھا
مہاجر کس کی باتیں کر رہے ہیں
وہ بھائی چارہ تو انصار تک تھا
میں سمٹا ہوں فقط دو گز زمیں میں
مرا رشتہ سمندر پار تک تھا
زمیں داری لیے پھرتی ہے کاسہ
وہ سارا دبدبہ دربار تک تھا
ہمیں نے کاٹ ڈالے اپنے بازو
ہمارا سلسلہ تلوار تک تھا
میں اب پھرتا ہوں آوارہ سا عبرتؔ
وہ لطفِ ہم نشینی یار تک تھا

حولدار سلیم الدین عامرؔ

Oppo:HarlakaEnglishSchool
HasnaRoad.Azadnagar
Shegaon-444203.Buldana(M.S)

اپنی حد میں رہا کرے کوئی
زندگی یوں جیا کرے کوئی
کون ہے قدرداں محبت کا
جان کس پر فدا کرے کوئی
وہ کسی شے سے ہو نہیں سکتا
کام جو آئینہ کرے کوئی
عشق بیتاب ہے کہاں جائیں
دل کا دروازہ وا کرے کوئی
چاہتا ہوں کہ میرے حق میں بھی
مغفرت کی دعا کرے کوئی
کام ایسا نہ کیجئے عامرؔ
جس پہ دشمن ہنسا کرے کوئی

جسوندر سنگھ راہیؔ

At/P.O:ChoriMandi.Sarada
Saharanpur-247232(U.P)
Mob-8755786580

ہرطرف راج ہے برائی کا
یہ زمانہ نہیں بھلائی کا
اپنی بستی کی کیا بتاؤں میں
آج دشمن ہے بھائی بھائی کا
کوئی چرچا نہیں کیا اب تک
اے صنم تیری بے وفائی کا
اللہ ان کو بھی روٹی دیتا ہے
جن پہ سادھن نہیں کمائی کا
مشورہ ہے مرا' کہیں تم بھی
بیج بونا نہیں لڑائی کا
آج بھی راہیؔ ہے مرے دل کو
غم بہت ہے تری جدائی کا

شاخ انورؔ

H.No:3-6-77,BadhLocality
NearMotiMasjid
Adilabad-504001(A.P)

جو ذکر شام و سحر یار کا نہیں کرتے
وہ اپنے فرض کو انور ادا نہیں کرتے
جہاں نقوش نہیں ہیں تمہارے قدموں کے
ہم اہلِ دل وہاں سجدہ کیا نہیں کرتے
قلم کو چوم نہیں لیتے اپنے ہم جب تک
ہم اس سے نام تمہارا لکھا نہیں کرتے
تمہارا بخشا ہوا درد دل کی دولت ہے
تمہارے درد کو دل سے جدا نہیں کرتے
بھروسا کرتے ہیں ہم پھر بھی ان کے وعدے پر
اگرچہ وہ کبھی وعدہ وفا نہیں کرتے
حیات جہدِ مسلسل ہے' جن کو ہے یہ پتہ
وہ قید شام و سحر میں رہا نہیں کرتے

اقبال احمد نذیر
K.B.A,Glaxy-Apartment1003
10th floor ,3rd Sankli street
Mumbai-400008

گذرے ہوئے لمحے

جنھیں ہم ڈھونڈ تے تھے گلی گلی
وہ اپنے گھر کے پچھواڑے ملی

ابے کیا بکواس لگا رکھی ہے کسے ڈھونڈتا پھر رہا ہے؟ کون گھر کے پچھواڑے ملی؟

ارے احمد میاں تمھارا لونڈا تو ہاتھ سے گیا۔ ابھی سے گلی گلی نہ جانے کس کو اور کیا کھوجتا رہتا ہے؟

احمد میاں میری مانو پوٹئے کے گلے میں رسی دے کر کسی کھونٹے سے باندھ دو۔

اشرف بھائیاں آج کیا ابھیا بھی اسی وقت اس کی ناک میں نکیل ڈال ڈوں" مگر یہ حرماں کام کا نہ کاج کا دشمن نو من اناج کا "اتنا بڑا ہو گیا ہے کہ اونٹ کی وہ سونگھ لے۔

اور شریف بھائی کیا بتاؤں' جہاں بھی اس لونڈے کے لیے رشتے کی بات چلاؤ وہاں لوگ میری بات چلا دیتے ہیں۔ اب تم ہی بتاؤ میں کیا کروں؟ اس برخوردار سے کہو بیٹا اپنی صحت کا خیال رکھا کرو تو اُلٹا اپنے کو ہی سبق ملتا ہے۔

اچھا شریف بھائی ایک بات بتاؤ! یہ بات کچھ زیادہ پرانی نہیں ہے۔ یہ بات کچھ زیادہ پرانی نہیں ہے میں جب بھی اس جھاڑو والی واگڑن آرتی کو دیکھتا ہوں تو نہ جانے تمھاری صورت میرے چاروں طرف دکھائی دینے لگتی ہے۔ لگتا ہے تمھارا اور واگڑن آرتی کا جنم جنم کا رشتہ ہے۔

ویسے ایک بات ہے شریف میاں آرتی تھمیں جب بھی دیکھتی ہے اس کا چہرہ انار دانے کی طرح سُرخ ہو جاتا ہے۔ ایسی لجا ایسی شرم سے وہ اپنے آپ دوہری ہو جاتی ہے۔ اسے دیکھتا ہوں اور تمھیں دیکھتا ہوں تو ایسا لگتا ہے" دونوں طرف ہے آگ برابر لگی ہوئی"۔

شریف بھائی اب بتا بھی دو ماجرہ کیا ہے؟ اللہ کی قسم کسی نہیں کہوں گا۔

ارے احمد میاں کیوں میری ایسی کی تیسی کرنے پر تُلے ہوئے ہو۔ ہاں کبھی تھا دل سے دل کا رشتہ اب کیوں بھولی بسری یادوں کو ہوا دیتے ہو۔ انسان بھی عجیب خمیر سے بنا ہے تاک جھانک کی عادت نہیں جاتی۔

احمد میاں ایک لمبی سانس لے کر بول پڑے" ٹھیک کہتے ہو بھائی چور چوری چھوڑ دے گا مگر ہیرا پھیری نہیں چھوڑتا"۔

یہ لو چائے آگئی چائے پیو۔

تم تو ناحق میں ناراض ہوتے ہو شریف میاں' میں نے تو بس یوں ہی ایک بات پوچھ لی۔

میں جب بھی آرتی کو دیکھتا ہوں تو سوچتا ہوں اوپر والے نے آرتی کو بہت فرصت اور خوشگوار موڈ میں واگڑن کی تخلیق کی ہوگی۔ کہیں سے بھی دیکھو اجنتا کی مورت لگتی ہے۔" سندرتا ایسی نکھری نکھری چاند کی روپہلی کرن میں ڈوبی جیسے مرمریں تاج محل۔

احمد بھائی تم نے پوچھ کر اچھا نہیں کیا' میری سوئی ہوئی محبت کو اس خاموش تلیا میں کنکر مار کر اس کی سطح پر گول گول بھنور بنا دیا۔

چلو تم نے یاد دلایا تو مجھے یاد آیا ورنہ یہ قصہ تو قصۂ پارینہ بن گیا تھا۔ یہ آرتی بھی عجیب چیز ہے جتنا بھی دور رہنے کی کوشش کرو یہ اس سے بھی دُوگنا دل اور دماغ میں چھائی رہتی اور پھر شریف میاں" نہ دین کے رہے نہ دنیا کے" ایسے میں بڑی ہلچل بڑی کھینچا تانی والی حالت ہوتی ہے۔

احمد میاں بات شروع ہوئی تھی تمھارے چونی چھاپ لونڈے سے اور ہرجانہ جرمانہ بھرنا پڑا مجھے۔

شریف میاں اُٹھتے اُٹھتے اپنی شرافت بتا گئے۔

احمد بھائی سے کہنے لگے" سروج سے ملاقات تو ہوتی ہوگی

احمد:۔ دیکھو شریف بھائی اب چلتے بنو۔ میرے بخیئے مت اکھاڑو۔ بخیہ اکھاڑنے سے کچھ ملنے والا نہیں۔ وہ آگ جو برسوں پہلے لگی تھی کب کی بجھ چکی ہے اب اس کی راکھ میں گرمی بھی نہیں۔

شریف:۔ چھوڑو احمد بھائی یہ الفت کی تلیا ہے جس نے بھی ڈبکی لگائی جان سے گیا یہ جیودھاری کنواں ہے۔ بہت جان لیس ہے۔

احمد:۔ اب کیا رہ گیا ہے اس اُجڑے چمن میں اور تم نے بھی نہ جانے کس بات کا بدلہ لیا ہے جو سروج کی یاد دلا دی اب کچھ دن تک اس کی یاد میں جلتا مرتا رہوں گا۔

اگر اس دھرتی پر کوئی حسینہ ہے تو وہ سروج ہے۔ بات کرتی ہے تو

کانوں میں جل ترنگ بج اٹھتے'مسکراتی تو پھولوں کو پسینہ آجاتا'اس کی چال کو ہرنوں نے اپنایااور کیاتعریف کروں۔''خدا کی خدائی سب سب خدا پر قربان''۔

پھرایک ٹھنڈی سانس لے کر ہاتھ مسلتے مسلتے کہنے لگے تمھیں تو معلوم ہی ہوگا سروج مان سنگھ کی اکلوتی اولاد ہے اس لیے سروج کو اپنے سالے کے بیٹے سے منسوب کررکھی ہے۔

مگران نین کا کیاقصور؟ کب کیوپڈ (Cupid) نے تیر چلایا اور ہم دونوں گھائل ہوگئے۔

کئی مہینے تک چھپا چھپی کا کھیل چلتا رہا۔وہ کہتے ہیں نہ ''عشق اور مشک چھپائے نہیں چھپتی''بس اسی عشق اور مشک کی خوشبو سے سارے کھیل سارے ارمانوں کا کباڑا کردیا۔ایک دل کے نہ جانے کتنے ٹکڑے ہوئے ایسا سمجھ لو دل کرچی کرچی ہوگیا۔

مگر شریف بھائی یہ پرانا مردہ جو اچھی طرح سے دفن تھا اُسے اُکھاڑنے کی کیاضرورت تھی ۔یہ دنیاوالے بھی بھی جس چیز کی ضرورت نہیں رہتی اسی چیز کی ماں بہن ایک کیئے رہتے ہیں۔

شریف نے احمد بھائی سے کہا''احمد بھائی!غصہ تھوکوتمھارے ساتھ جو ہواوہ نہیں ہونا چاہئے تھا۔اُس میں اور تم میں بہت فرق ہے۔وہ پنجابن پڑھی لکھی اورتم بہاری موتی ہاری کے تقریباًانگوٹھا چھاپ کہاں جوڑ بیٹھتا''۔

احمد نے ایک لمبی سانس لی اور کہنے لگا''مگرایک بات ہے اُس مان سنگھ نے بڑی عزت دی سب جانتے ہوئے بھی وہ مجھے کچھ نہیں کہتا۔

میں نے صرف اورصرف اس کی بیٹی سے سچی محبت اور پاک محبت کی تھی۔اپنی محبت میں کبھی بھی ہوس کوشامل نہیں کیا''۔

اور ہاں شریف بھائی کل کس کو بڑبڑکررتے جارہے تھے اور کہتے جا رہے تھے''بس اس کی بہت عزت کرلی مگراب بس؟

احمد بھائی اُس جھوٹے کودیکھتا ہوں تو خون کھول اٹھتا ہے زبان میں کرواہٹ آجاتی ہے دل کہتا ہے بھرے بازار میں اس کی بےعزتی کردوں۔حرام خور بےغیرت مجھے کہتا ہے''تو میری گھروالی کوتاڑتا رہتا ہے''اب اس کمینے کوکون سمجھائے تیسری بیوی چار بچوں کی اماں اور میں کہاں گبروجوان۔میرے آگے پیچھے ویسے ہی جوان مٹیارن کی لائن لگی رہتی ہے۔ایسے میں تیری غیرت مند بیوی جواپنی جوانی تجھ پرنثار کرکے اس حال میں پہنچی ہے۔اب نہ گل ہے نہ گل والی بات'نہ رنگ ہے نہ بوہے'ایسے میں کیا تاڑوں گامگرایک بات ہے احمد بھائی''کھنڈر بتارہے ہیں عمارت عظیم تھی''۔

نفرت کروپوری طرح سے کرویا پھرمت کرووقت خودہی حساب کر لے گا۔یہ چھچھورا آج گالی دے رہا ہے کل یہی ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے ایک دوسرے کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کرگھومتے نظرآئیں گے۔یہ تو ہم کو'تم کواور دنیا والوں کوبیوقوف بنانا ہوا۔اب تم خودہی سوچو میں کہاں اوروہ کنجڑہ کہاں۔

احمد بھائی کبھی کبھی جب اُس کی جوانی یاد آتی ہے تو بڑا ترس آتا ہے''جوانی میں سب ہی کے اوپر نور کی چادرتنی رہتی ہے''۔

اچھا احمد بھائی اگر بُرانہ مانوتوایک بات پوچھوں۔پوچھوں کیاپوچھ لیتا ہوں۔احمد بھائی تم نے سروج کوایسےالوداع کیا؟

شریف بھائی!بڑی دردناک اورغم ناک داستاں ہے۔میں نہیں چاہتا اس بات کی کبھی چرچا ہو'دوست واحباب میں اس کاذکر ہو۔جب بھی یادآتی ہے تو دل سے دعانکلتی ہے'جہاں بھی رہے خوش رہے۔

ہوایوں کہ گرمی کی رات تھی میں اپنے مکان کی چھت پرلیٹا آسمان پر تارے گن رہاتھااتنے میں کوئی چیز موٹے کپڑے میں لپٹی میرے برابرآکرگری میں سمجھ گیا آج بہت دنوں بعد سروج نے پرانے طریقے کواپناتے ہوئے کچھ بھیجا ہے۔چاندنی رات تھی میں نے اس موٹے کپڑے کوکھولا تو اس میں سروج کا لکھا ہواپتہ تھا۔اس پتہ میں لکھاتھا کہ کل صبح سرکاری میونسپل دواخانے میں ضرور ملاقات کریں اورتاکید کی کہ ضرور ملنے آنا۔شایدآخری ملاقات ہومیری زندگی کامعاملہ ہے۔ میں بتائے ہوئے میونسپلٹی دواخانے پرپہنچ گیا وہاں سروج میری منتظرتھی۔سروج آج بڑی بن سنور کرآئی تھی۔دھانی کلر کے پنجابی سوٹ میں بالوں کی چوٹی میں دھانی کلرکاپراندھاغضب ڈھارہاتھا۔

میں جیسی ہی دواخانے میں داخل ہواسروج لپک کرمیرے قریب آگئی اور میرا ہاتھ پکڑرایک کونے میں لے گئی اور میرے کاندھے سے لگ کربچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کررونے لگی'میں کچھ سمجھ نہیں پارہاتھا کہ معاملہ کیاہے۔

میں اسے کیا کہتا' کیسے تسلی دیتا کیااورکس بات کا دلاسا دیتا۔سروج کے اس طرح رونے سے میری بھی حالت بھی ویسی ہی ہورہی تھی مگر میں رونہیں رہا تھا میں چاہتا تھا کہ وہ خوب رولے۔

رو رو کے دل کا غبار کم ہوا تو وہ کہنے لگی کل فرینٹرمیل Frontier Mail سے ہم سب امرت سرجارہے ہیں میرے ابو نے وہیں پراپناتبادلہ کروالیاہے۔روتے ہوئے وہ مجھ سے لپٹ کر کہہ رہی تھی''پتہ نہیں زندگی میں اب کب تم سے ملاقات ہوگی''۔پھرایک جھٹکے سے مجھ سے الگ ہوگئی۔اور خدا حافظ کہتے ہوئے بڑے بڑے قدم اٹھاتی ہوئی چلی گئی۔

میں جانتاتھاوہ کیوں ایک جھٹکے سے علیحدہ ہوکرچلی گئی۔اگرتھوڑی دیر اوررُکتی تو ہوسکتا ہے وہ اپنے گھر والوں سے بغاوت کربیٹھتی۔بس اس طرح سے سروج کوالوداع کیا۔

جاتے ہوئے خداحافظ ہاں اتنی گزارش ہے
جب یاد ہم آجائیں ملنے کی دعا کرنا

☆☆☆

افسانہ

اقبال سلیم
No:97,Aiwan-e-Tahera
4thMain,8thCross,J.H.B.C.S Layout
J.P.NagarPost.Bangalore-560111

ٹامی

وہ بھی کیا دن تھے کہ جانوروں اور پرندوں کی پرورش ہماری گنگا جمنی تہذیب کا حصہ بنی ہوئی تھی۔ کیا گھوڑے‘ کیا گدھے‘ کیا گائے‘ کیا کتے اور کیا کبوتر کیا مرغ‘ سب کی پرورش تہذیب کا درجہ حاصل کرنے کے بعد فنِ بازی گری کی بلندیوں کو چھو چکی تھی۔ اب تو ان کے قصے کہانیاں بس کتابوں میں بند ہو کر داستانِ پارینہ بن چکی ہیں۔ ویسے بھی گردشِ لیل ونہار کی قطع برید سے گزرنے کے بعد اب بس کتے بلیوں اور کہیں کہیں طوطے مینا کا وجود اس نقشِ کہن کی یاد دلانے کو باقی رہ گیا ہے۔ خود ہمارے یہاں یہ حال ہے کہ کبھی کبھار ایک مرغا یا مرغی یا زیادہ سے زیادہ ایک بلی ایک محدود عرصہ کے لیے پل گئی ہو تو بڑی بات ہے۔ اس کے علاوہ ہمیں یاد نہیں کہ کبھی کسی جانور کی پرورش ہمارے یہاں ہوئی ہو۔

ہوا یہ کہ ہمارے انگریز افسر کمپنی کی میعاد ختم کر کے اپنے وطن انگلینڈ واپس ہونے لگے تو اپنا عزیز ترین کتا بطور یادگار ہمیں عنایت کر گئے۔ ٹامی سفید رنگ‘ چھوٹے قد اور لمبے لمبے بالوں والا بڑا پیارا اور خوبصورت کتا تھا۔ جو کتے سے زیادہ کسی برفانی ریچھ کا بچہ معلوم ہوتا تھا۔ سوچنے کی بات ہے کہ ایک مہذب قوم کے فرد یعنی ایک انگریز کے گھر پلا ہوا کتا کس معیار اور نوعیت کا رہا ہوگا مگر بیگم کی ناقدر شناسی اور سرد مہری کا کوئی علاج نہیں تھا کہ وہ بجائے ہمارے اس عزیز مہمان کا خوش دلی سے سواگت کرتیں اُنہوں نے دور ہی سے لاحول ولاقوۃ کے نعرۂ ہائے ملامت سے اس کا استقبال کیا۔

ہم چاہتے تو صاحب سے عذر کر سکتے تھے کہ جانوروں کی پرورش کے لئے ہمارے گھر کا ماحول بھی سازگار نہیں رہا ہے مگر چونکہ یہ تحفہ ایک ہردلعزیز افسر کا تھا کچھ مُروّت اور شائستگی کا تقاضا بھی لہٰذا ہم شکریہ ادا کر کے چلے آئے۔

اب گھر میں بچوں کا یہ حال کہ وہ سب کچھ بھول کر ٹامی کی ناز برداری اور مزاج پُرسی میں لگے ہوئے ہیں مگر بیگم کا حال اس کے برعکس تھا۔ اُنہوں نے آنگن کے بیچوں بیچ بھگوان رام کی طرح ایک لکیر کھینچ کر گویا چیلنج کیا کہ اگر اس مُوئے کتے نے یہ لکیر پار کرنے کی ہمت کی تو وہ اُسے جلا کر بھسم کر دیں گی۔

ہم نے سمجھایا ”جناب! بے شک یہ ایک کتا ہے لیکن ہرگز کسی گلی محلے کا آوارہ یا خارش زدہ کتا نہیں ہے کہ اسے تختۂ دار پر چڑھانے یا کالے پانی کی سزا دینے کی سوچیں‘ یہ ہمارے صاحب کے گھر نازوں میں پلا بڑھا نہایت شائستہ اور مہذب کتا ہے‘ یقین نہ ہو تو اس سے ملاقات کر کے دیکھ لیں۔ بُرائی کیا ہے! دن کو بچوں کا دل بہلایا کرے گا رات کو گھر کی رکھوالی۔“

تیور چڑھا کر بولیں ”سب بے کار کی باتیں ہیں آپ اس نگوڑے انگریز کی صحبت میں رہ کر خود بھی انگریز بن گئے ہیں۔ میں خوب جانتی ہوں کتا آخر کتا ہوتا ہے خواہ وہ کسی انگریز کے گھر پلا ہو یا ہمارے دھوبی کے گھر۔ اگر کسی دن کسی کو کاٹ کھائے تو ہم اس کا کیا بگاڑ لیں گے۔ یہ امریکہ اور انگلینڈ تو ہے نہیں کہ عدالت میں مقدمہ ٹھونک کر نہال ہو جائیں“۔

ہم نے سر پیٹ کر سمجھایا۔ ”جناب! یہ سراسر آپ کی زیادتی اور توہم پرستی ہے۔ بھلا یہ کوئی دیوانہ کتا ہے کہ کہ خواہ مخواہ کسی کو کاٹ کھائے۔ ہم نے پہلے ہی کہا ہے کہ شریف اور شائستہ جانور ہے‘ بیوی نہیں کہ کاٹ کھائے“۔

چمک کر بولیں ”تو آپ صاف کیوں نہیں کہتے کہ میں آپ کو کاٹ کھاتی ہوں“۔

ہم نے اُنہیں ٹھنڈا کرنے کی غرض سے بات بنائی ”بخدا ہمارا منشا ہرگز آپ کی توہین کرنے کا نہیں تھا۔ ہم بس یہی کہنا چاہتے تھے کہ یہ کتا ضرور ہے مگر شریف اور اچھی نسل کا ہے کاٹے گا ہرگز نہیں۔“

غرض بڑی بک جھک کے بعد اس بات پر راضی ہوئیں کہ وہ باہر ایک گوشے میں گیراج کے قریب بندھا رہے گا۔ گھر کے اندر قدم رکھنے کی ہمت نہیں کرے گا ورنہ اس کی ہڈی پسلی ٹوٹنے کی وہ ہرگز ذمہ دار نہیں ہوں گی۔

چنانچہ ہم نے اگلے دن گیراج کے بغل میں اینٹوں کا ایک عارضی گھر بنا کر اس کے قیام وطعام کا بندوبست کر دیا۔

ایک رات کوئی دو بجے کا عمل ہوگا ہم گہری نیند سوئے ہوئے تھے کہ بیگم نے جھنجھوڑ کر جگا دیا ”وہ آپ کا کتا مسلسل بھونک رہا ہے۔“

ہم نے کان لگا کر سنا۔ واقعی وہ رہ رہ کر بھونکے جا رہا تھا مگر ہم نیند کے دباؤ میں تھے ٹالنے کو کہا ”بھونکنے دو‘ بھونکنا تو اس کا پیدائشی حق ہے‘ وہ وقت گزاری کے لئے خواہ مخواہ بھونکتا ہے‘ لیکن ایک اور سبب بھی ہو سکتا ہے ممکن ہے اس وقت وہ

تنہائی میں اپنی گرل فرینڈ کو یاد کررہا ہو۔ ساحرؔ نے اسی لئے کہا تھا ؎

یہ تنہائی کی تاریکی تو بڑھتی اور بھی ہمدم
غنیمت ہے کہ یادوں سے چراغاں کرلیا میں نے

فطرت کے تقاضے کے عین مطابق ہم انسانوں کی طرح اس کو بھی کسی کتیا سے عشق ضرور ہوگا۔ باالفاظ دگر اس نے بھی کسی گرل فرینڈ کو مار رکھا ہوگا جو اس وقت تنہائی میں گویا اس کے پاس ہوگی بقول مومنؔ ؎

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا۔ جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

ناک بھوؤں چڑھا کر بولیں' توبہ توبہ! یہ کتا نہ ہوا مجنوں ہوگیا۔

ہم نے کہا "مجنوں نہیں تو رانجھا ضرور ہوگا کوئی بھی روح کسی میں بھی حلول کر جائے تو تعجب نہیں۔ اس طرح ممکن ہے مجنوں یا رانجھے کی روح اس میں گھس آئی ہو اور وہ اپنے محبوب کی یاد میں کوئی شعر یا غزل یا دوغزلہ عرض کررہا ہو"۔

یہ سن کر وہ بے ساختہ ہنس پڑیں۔ اس وقت ان کا موڈ کچھ ایسا ہی خوش گوار تھا کہ ہم نے موقع غنیمت جان کر دبی زبان میں کہا، "ٹامی ایسا کوئی خونخوار جانور ہرگز نہیں کہ اسے گھر کے باہر باندھ کر رکھا جائے۔ لہٰذا اسے گھر میں آنے جانے میں کیا قباحت ہے۔"

تیوری چڑھا کر بولیں "یہ مت بھولیں کہ کتا شیطان ہوتا ہے جس گھر میں کتا ہو وہاں رحمت کے فرشتے نہیں آتے۔ توبہ توبہ میں تو اسے ہاتھ بھی لگا نہیں پاؤں گی۔ یہ کیا کم ہے کہ میں بچوں کی خاطر اسے گھر میں رکھنے کو راضی ہوگئی تھی"۔

ہم ہمت ہارنے والے نہ تھے۔ کہا "ذرا سوچیئے تو سہی! آپ کیا کہہ رہی ہیں۔ ایک عالی نسب کتے کی شان میں ایسے توہین آمیز الفاظ آپ کو زیب نہیں دیتے۔ جس کی ساری عمر ایک شاندار بنگلے کے سجے سجائے نرم نرم صوفوں اور اس سے بھی بڑھ کر اپنے مالک اور مالکن کی نرم نرم آغوش میں گزری ہو اور نہایت خوشنما اور قیمتی قالین جس کے پاؤں کے بوسے لیتے رہے ہوں' آپ ناقدری اور بے توجہی کے طفیل اس سے ایک خنجیر کا سا نفرت آمیز سلوک ہو"۔

بولیں: "اپنا اپنا خیال ہے۔ آپ جس خنزیر کو قابلِ نفرت کہتے ہیں کیا اس خنزیر کے گوشت سے آپ کے لاٹ صاحب ساری عمر پلتے نہیں رہے ہیں؟ اب مزید بحث وتکرار فضول سمجھ کر ہم نے کروٹ بدل لی اور سونے لگ گئے۔

کئی دن گزر گئے۔ ایک رات کو دو بجے کا عمل ہوگا آنگن میں ٹامی کے بھونکنے کی آواز سن کر ہماری آنکھ کھل گئی' اوّل تو ہم نے سوچا کہ وہ اپنی عادت سے مجبور ہو کر بھونک رہا ہوگا۔ مگر جب اس کے بھونکنے میں شدت رونما ہونے لگی تو اِدھر بیگم نے جھنجھوڑا "خدا غارت کرے صبر کی بھی ایک حد ہوتی ہے میں کل ہی اسے زہر دے دوں گی۔ خس کم جہاں پاک!"

ہم لحاف پھینک کر اُٹھ کھڑے ہوئے' ہماری ساری توجہ ٹامی کے بھونکنے کی آوازوں پر مرکوز تھی۔ پھر کچھ سوچ کر ہم نے کونے میں رکھی بچوں کی ہاکی اسٹک اُٹھائی اور بیگم کے نہ نہ کرتے دروازہ کھول کر باہر آئے تو سامنے کا منظر دیکھ کر دم بخود رہ گئے۔ ٹامی کے گلے کی رسّی ٹوٹی ہوئی تھی اور وہ ایک انسانی سائے پر جھپٹ رہا تھا۔ سایہ اس سے بچاؤ کے لئے سارے آنگن میں دوڑتا پھر رہا تھا۔ ہم نے اسٹک سنبھال کر للکارا "کون ہے؟"

ہماری آواز پر سایہ دیوار کی طرف لپکا اور دیوار پھاند کر نکل جانے کی کوشش کرنے لگا' یقیناً وہ کوئی چور تھا۔ اب صورت حال یہ تھی کہ اس کمبخت کا اوپر کا آدھا دھڑ ہاتھوں کے سہارے دیوار سے چمٹا ہوا تھا اور نچلا دھڑ نیچے لٹک رہا تھا اور ٹامی تھا کہ اس کے پتلون کا ایک پائنچہ منہ میں دبائے جھول رہا تھا اور چور اس فکر میں تھا کہ پائنچہ چھڑا کر باہر کود جائے۔ لہٰذا وہ رہ رہ کر اُسے اس کی گرفت سے آزاد کرنے کے لئے جھٹکے دے رہا تھا مگر ٹامی ایسا سخت جان تھا کہ چور کے ہر جھٹکے پر دیوار سے ٹکراتا مگر پائنچہ نہ چھوڑتا تھا۔ ہم نے ایک لمحہ ضائع کئے بغیر آگے بڑھ کر اسٹک چور کے دوسرے پاؤں پر اس زور سے ماری کہ وہ چوٹ کی تاب نہ لا کر زمین پر گر پڑا ہم نے اُسے گریبان سے پکڑ کر اُٹھایا وہ ایک ہٹا کٹا جوان تھا۔ اس دوران میں شور سن کر دو چار پڑوسی بھی وہاں پہنچ گئے اور معاملہ جان کر اس کی مرمت شروع کر دی۔ ہم نے بدقت اُسے چھڑایا تو وہ ہمارے پاؤں پر گر پڑا اور ہمارے سوال پر اس نے اپنے جیب سے سونے کا ایک ہار نکال کر ہماری طرف بڑھا دیا۔

"بس یہی ایک چیز کھلی کھڑکی سے اٹھائی تھی۔ اب مجھے چھوڑ دیں"۔

مگر پڑوسیوں کی رائے تھی کہ اسے چھوڑ دینا اسے دوبارہ چوری کی ترغیب دینا ہے۔ کافی بحث کے بعد صلاح ہوئی کہ وہ لوگ خود اسے قریبی تھانے میں پہنچا کر چلے جائیں گے۔ چنانچہ ادھر وہ چور کو گھسیٹتے ہوئے چلے گئے ادھر بیگم نے پشت سے ظاہر ہو کر ہمارے ہاتھوں سے ہار اُچک لیا۔ اگلے ہی لمحے حیرت کی ایک چیخ ان کے منہ سے نکل گئی۔ "ہائے اللہ! یہ تو میرا ہار ہے۔ میں رات الماری میں رکھنے کی بجائے بھولے سے کھڑکی میں رکھ کر سو گئی تھی۔ ہائے اسے موت آئے۔ مونڈی کاٹے کا"۔

اب ہم ٹامی کی طرف متوجہ ہوئے جس کے پڑوسی گن گا رہے تھے' جس نے اپنے مالک کے مفاد میں اپنی جان تک کی پرواہ نہیں کی تھی۔ وہ ایک طرف اپنا ایک پاؤں لنگڑاتا پھر رہا تھا۔ ہم نے اُس کی وفاداری پر جذبات سے مغلوب ہو کر اُسے گود میں اُٹھالیا۔ پشت سہلائی، چمکارا اور آہستہ سے زمین پر اُتار کر بچوں سے پانی اور پٹی منگوائی اور اس کے زخمی پیر پر باندھ دی۔ پھر سب بچے اس

(بقیہ صفحہ 52 پر)

افسانہ

علیم صبانویدی
192,TriplicaneHighroad
IIndFloor,FlatNo.16,
RiceMandiStreet,
Chennai-600005

دروازہ کھلتے ہی

دروازہ پوری طرح بند ہے۔ میں کمرے کے اندر ایک رسالے کے مطالعے میں منہمک ہوں۔ کبھی کبھی دروازے کی سمت اچٹتی نگاہیں اُٹھتی ہیں۔ باہر بے ہنگم شور ہے۔ شور تقریباً جس کا میں عادی ہو چکا ہوں۔ یہ شور میرے ذہن کے خلا میں رقص کرتے رنگوں کو تحلیل نہیں کرتا۔ میرے سکوت کے گریباں کی طرف ہاتھ نہیں بڑھاتا اور رسالے کے حروف کو مجھ سے نہیں چھینتا۔ میں اطمینان سے پڑھتا ہوں۔ فن کاروں کی تخلیقات سمجھ میں آتی ہیں۔ بعض تجریدی قسم کی نگارشات کے لئے مجھے کچھ ٹھہرنا پڑتا ہے۔ پھر اس خیال سے ورق گردانی کرتا ہوں کہ لکھنے والے کے آگے کوئی مقصد ہوگا ورنہ الفاظ اور تراکیب کے ملبے کے نیچے اسے اپنے وجود کو تڑپانے کی کیا ضرورت ہے؟

دیر دیکھ رہا ہوں کہ بند دروازے کی نچلی دراڑ سے صبح کی ملگجی روشنی چھن کر آرہی ہے۔ ایک سایہ متحرک ہے۔ سوچتا ہوں کہ کوئی باہر کھڑا ہوگا۔ گم صم چپ چاپ ساکت و جامد۔ لیکن اس نے دروازے پر دستک کیوں نہیں دی؟ چپ چاپ کیوں کھڑا ہے؟ میں اب رسالہ رکھ کر اس کی طرف دیکھ رہا ہوں۔ سایہ تو متحرک ہی ہوتا ہے۔ آواز دینے کا ارادہ کرتا ہوں لیکن کوئی غیر مرئی طاقت منہ پر ہاتھ رکھ دیتی ہے۔ میں سوچتا ہوں آنے والا کوئی ایسا دوست نہیں ہے جو میری حیرت کی لو اونچی کرنا چاہتا ہے۔ شاید اسے اس سے ایک طرح کی لذت محسوس ہو جیسے تصویر میں جنسی تلذذ کا خاموش عمل۔ میں ایک ایک کا نام اپنی زبان سے دہراتا ہوں: فضل، حسن، قدرت، برق، حیدر، اقبال۔ ان میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے، جس نے مجھ سے کبھی شرارت کی ہو، مجھے چھیڑا ہو۔ میں نے ان لوگوں سے ہمیشہ حدود کے اندر ملاقات کی ہے۔ پھر یہ کون ہوسکتا ہے؟ رات کا وقت بھی نہیں جب کہ ہر سایہ تاریکی کی آغوش میں یوں سو جاتا ہے جیسے اس کا وجود نہیں رہا ہو۔ جب صبح ہوتی ہے تو رات ان چمٹے ہوئے سایوں کو الگ کر دیتی ہے، کبھی کبھی نوچ نوچ کر اتنی دور پھینک دیتی ہے کہ سائے لڑکھتے، چیختے، کنمناتے اور سسکتے ادھر ادھر بکھر جاتے ہیں۔ رات کا پھینکا ہوا ایک سایہ میرے دروازے کی دراڑ سے روشنی کی انگلی تھامے میری کرسی تک آنا چاہتا ہے۔ میں اب صبر نہیں کرسکتا۔ آہستہ آہستہ چور کی طرح بڑھنے لگتا ہوں، فوراً دروازہ کھول دیتا ہوں۔ میری نگاہیں پھر سے اڑتی ہوئی چڑیا کے پروبال کا تعاقب کرتی ہیں اور کچھ نہیں۔

☆☆☆

(ٹامی کا بقیہ)

کی مزاج پُرسی اور ناز برداری میں لگ گئے۔ مگر بیگم تھیں کہ اپنا ہار ہاتھ میں لئے ایک طرف خاموش کھڑی ٹکٹکی لگائے ٹامی کو تکے جا رہی تھیں۔ دفعتاً وہ مڑیں اور اندر سے کیک کا بڑا ٹکڑا لا کر ٹامی کے آگے رکھ دیا۔ ان کے روئیں روئیں میں محبت پھوٹ رہی تھی مگر ٹامی.....! وہ سہم کر پیچھے ہٹ گیا وہ خاموش کھڑا اپنی خوف اور شک بھری آنکھوں سے بیگم کو تک رہا تھا جیسے کہہ رہا ہو۔

مجھ تک کب ان کی بزم میں آیا تھا دورِ جام
ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں

پھر ہم نے مسحور و مبہوت ہو کر شفقت اور پیار سے اسے بے اختیار و بے پناہ جذبے کو دیکھا جو بیگم کے دل سے چشمے کی طرح پھوٹ پڑا تھا۔ وہ بے اختیار آگے بڑھیں اور اور جھک کر ٹامی کو اپنی آغوش میں دبوچ لیا جیسے وہ کوئی نجس کتا نہ ہو ان کا اپنا مُنّا ہو، ان کی آنکھوں میں خوشی اور ندامت کے ملے جلے آنسو ٹمٹمار ہے تھے۔

☆☆☆

(تابوت میں آخری کیل کا بقیہ)

نے لا کر بند کر دیا۔ دونوں میں کچھ ہاں نہیں کی بحث چل رہی تھی۔ بعد میں میرے پاس آئے، پرویز بولا!

"آج بھی دنیا میں آپ جیسے لوگ ہیں"۔ پھر ناہید کی طرف دیکھ کر بولا "کیوں نہ ابو کی یہ خواہش ہم پوری کر دیں اور ان پیسوں سے اپنے اور اپنے بچوں کے شب و روز سنواریں"

ناہید نے پرویز کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "آخر ابو نے تابوت میں آخری کیل ٹھونک ہی دی۔ اور میرے ہاتھ سے چابی لے کر پرویز کو دے دی۔

☆☆☆

افسانہ

اظہر نیّر
برہولیا، کنسی سمری، دربھنگہ، بہار
993 97494 52

اولڈ ایج فری ہوم

مقامی سطح پر ایک ان جی او (NGO) نے ایک ضعیف، بے سہارا اور بوڑھے بوڑھی (جس کو اپنی اولاد نے بھی گھر میں رکھنے کو تیار نہ ہوتے) اسے لوگوں کے لئے ''اولڈ ایج فری ہوم'' کی بنیاد ڈالی۔ جب مفت ہوم مکمل ہو گیا تو شہر کی مشہور و معروف شخصیات کے ہاتھوں اس کے افتتاح کا پروگرام رکھا گیا۔ NGO کے سرپرست انیل چودھری نے صوبہ شہر کی معزز ہستیوں اور یونیورسٹی کے وی سی جناب اجیت کمار کھورانہ کو بھی مدعو کرنے کا پروگرام بنایا۔ کیونکہ مسٹر کھورانہ سبھی طرح کے پروگراموں مدعو کئے جاتے ہیں اور کافی وقت دیا کرتے ہیں۔ مقامی طور پر ہر دل عزیز، کافی مقبول اور عملی طور پر مشہور شخصیت کے حامل ہیں، تقریر بھی اچھی کرتے ہیں۔

انیل چودھری جب وی سی مسٹر اجیت کمار کھورانہ کو مدعو کرنے گئے تو ان کے ساتھ N.G.O کے سکریٹری، صدر اور دو ممبران بھی موجود تھے۔ مسٹر کھورانہ اجلاس، تعزیتی افتتاحی پروگرام کے طور پر شریک ہوتے ہیں۔ اس لئے افتتاحی پروگرام کے صدر کے لئے مسٹر اجیت کمار کھورانہ کے نام کی تجویز پیش کی گئی، مسٹر کھورانہ نے اس تجویز کو منظور کرتے ہوئے کہا کہ میں کافی مصروف آدمی ہوں، آپ لوگ مجبور کرتے ہیں تو ٹھیک ہے میں آجاؤں گا۔ آپ تو جانتے ہیں یونیورسٹی کا بہت بڑا انیٹ ورکس ہے، سبھی کچھ مجھے دیکھنا پڑتا ہے۔ مگر آپ لوگ نیک کام کرنے جا رہے ہیں تو آنا ہی ہوگا۔ مگر........؟ خیر چھوڑیئے، کھورانہ جی بولئے کیا بات ہے؟

انیل چودھری جی آپ سے تنہائی میں کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ انیل چودھری اور مسٹر کھورانہ دوسرے روم میں چلے گئے۔ کھورانہ صاحب نے رازداری کے ساتھ کچھ باتیں انیل چودھری سے کہیں اور انیل چودھری نے کہا کہ ٹھیک ہے مجھے منظور ہے۔ آپ کا کام ضرور ہوگا۔

وی سی کھورانہ نے کہا کہ ''آپ سے جو باتیں ہوئی ہیں ابھی اپنے صدر، سکریٹری اور ممبران سے تذکرہ نہ کریں گے وعدہ کیجئے''۔ انیل چودھری نے کہا ''سر آپ یقین کیجئے میں کسی کو نہیں بتاؤں گا یہ راز کسی کو معلوم نہیں ہوگا آپ کا کام ہو جائے گا''۔ ٹھیک ہے چودھری جی میں آپ کے پروگرام میں ضرور شرکت کروں گا۔

مقررہ تاریخ پر اولڈ ایج فری ہوم کا افتتاح یونیورسٹی کے V.C اجیت کمار کھورانہ کے ہاتھوں ہوا اور مسٹر کھورانہ نے اپنی افتتاحی تقریر میں کہا کہ ''بے سہارا ضعیف لوگوں کو اس ہوم میں رکھا جائے گا اور ان کو ہر طرح کی مدد کی جائے گی۔ یعنی کھانے کی سہولت، رہنے کی سہولت، خدمت کے لئے نوکر، دوائی، اخبار، رسالے، سیر کرنے کے لئے گاڑیاں بھی موجود ہیں۔ بوڑھے بوڑھی کو جو کچھ چاہئے وہ سب کچھ اس ''اولڈ ایج فری ہوم'' موجود ہے۔ بوڑھے مرد اور بوڑھی عورت کو الگ الگ رکھنے کا انتظام ہے''۔

''اولڈ ایج فری ہوم'' بنانے کی کیوں ضرورت پڑی؟ کیونکہ جو لوگ اپنے ضعیف ماں باپ کو اپنے گھروں میں نہیں رکھنا چاہتے ہیں، کیونکہ ان کی بیگم کو اور ان کو اپنے عیش و آرام کی زندگی میں خلل پڑتا ہے اس لئے اپنے بوڑھے ماں باپ کو ''اولڈ ایج فری ہوم'' میں رکھ دیتے ہیں، جو لوگ اپنے بوڑھے ماں باپ کو اپنے ساتھ رکھنا اپنی توہین سمجھتے ہیں ان کے جیسا بدنصیب کوئی نہیں ہے۔ مسٹر کھورانہ نے مزید کہا کہ وہ انسان نما حیوان ہے۔ جو اپنے ضعیف ماں باپ کو ''اولڈ ایج فری ہوم'' میں رکھتے اور وہ بے سہارا ہوتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو سماج میں بڑے بڑے لوگ کہے جاتے ہیں۔ عزت داروں میں شمار ہوتا ہے بڑے بڑے عہدہ پر فائز افسران ہوتے ہیں۔ میں ایسے لوگوں کو ضمیر فروش کہتا ہوں، وہ یہ نہیں سوچتے ہیں کہ ایک روز میرا بیٹا بھی مجھے فری ہوم میں رکھ جائے گا۔ سوچئے ماں باپ کی خدمت کرنا ہر مذہب میں قابل احترام مانا جاتا ہے۔ وہی ماں باپ جس نے اپنے دن رات کی محنت کے پیسہ سے افسر بنایا، وہی بیٹا آج اپنے ماں باپ کو فری ہوم میں چھوڑ جاتے ہیں، شرم آنا چاہئے، مگر لوگ سمجھتے نہیں ہیں''۔ اجیت کھورانہ کی تقریر پر کافی لوگوں نے تالیاں بجائیں، ان کی تقریر سن کر بہت لوگ خوش ہوئے، آخر میں کھورانہ صاحب نے کہا کہ اپنے ماں باپ کی خدمت کو خود کریں یہی اصل خدمت ہے، تالیاں خوب بجیں!!

انیل چودھری نے V.C. کھورانہ صاحب کا شکریہ ادا کیا۔ ''اولڈ ایج فری ہوم'' کا کام شروع ہو گیا۔ چند ضعیف لوگ ہوم میں رہنے لگے۔ حسب وعدہ پروگرام کے تحت ایک روز انیل چودھری اپنی کار لے کر V.C. کھورانہ صاحب کے بنگلہ پر پہنچ کر کھورانہ صاحب کے والدین کو لے کر رات میں ''اولڈ ایج فری ہوم'' گئے۔ کھورانہ صاحب کے والدین بھی فری ہوم میں رہنے لگے۔

☆☆☆

افسانہ

ایڈوکیٹ حبیب ریتھ پوری
ضلع امراوتی ۴۴۴۷۰۴ (مہاراشٹر)
موبائل:9403860486

ایکسپرٹ

زندگی گزارنے کے لیے ہر فرد و بشر مختلف قسم کے پیشے اپناتا ہے۔ملازمت‘ کاروبار‘تجارت‘ہنر‘فن‘ کاریگری وغیرہ وغیرہ۔اپنے اسی پیشے کے ذریعہ کمائی کر کے خود پیٹ پالتا ہے‘اپنے اہل وعیال بیوی بچوں کی پرورش کرتا ہے۔اور اپنے اس پیشے میں مہارت حاصل کر کے ایکسپرٹ بن جاتا ہے۔مگر صابر نے جو پیشہ اپنایا اور جس پیشے میں وہ ماہر ایکسپرٹ بن گیا......وہ ان تمام پیشوں سے مختلف تھا۔اس کے اس پیشے میں نہ تو آباواجداد کی روایت تھی نہ ہی اس نے اس پیشے کے لیے کوئی علم حاصل کیا تھا نا ہی تربیتی کورس پورا کیا تھا۔مگر بغیر کچھ محنت ومشقت کے ہینگ لگے نہ پھٹکری اور رنگ چوکھا کے مصداق یہ ہنر اس کے ہاتھ لگ گیا تھا۔اور پھر اس کے وارے نیارے ہو گیے۔

بچپن میں وہ عام بچوں کی طرح ایک بچہ تھا۔خاندانی پس منظر بھی قابل ذکر نہ تھا۔باپ ٹرک ڈرائیور تھے‘ماں گھریلو خاتون‘چار بھائی بہنوں میں وہ سب سے بڑا تھا۔لکھنے پڑھنے کے معاملے میں بھی بس یوں سا تھا‘بڑی مشکل سے دسویں پاس ہو کر اس نے پڑھائی ترک کر کے باپ کے نقش قدم پر چل کر ڈرائیوری سیکھ لی تھی‘اور پھر چھوٹی موٹی گاڑیوں پر ڈرائیوری کرنے لگا تھا۔ڈرائیوروں کی زندگی کے غیر یقینی حالات‘لا اُبالی پن اس کی زندگی کا حصہ بن گیے۔

نہ جانے ماں باپ کو کیا سوجھی کہ فوراً اس کی شادی بھی کر دی۔اس کی زندگی میں دلھن بن کر آئی فرزانہ خوبصورت تو نہ تھی مگر قبول صورت‘سانولے رنگ کی صحت مند لڑکی تھی۔وہ خود بھی نا تجربہ کار الہڑ قسم کی لڑکی تھی۔کچھ دن تو حالات ٹھیک ٹھاک رہے مگر صابر کی غیر ذمہ دارانہ روش‘غیر یقینی آمدنی‘جلد ہی زندگی میں تلخی گھل گئی۔ماں باپ سمجھتے تھے کہ ہم نے اپنی ذمہ داری پوری کر دی ہے اسے اب سمجھدار ہو جانا چاہیے اور اپنی زندگی کے متعلق خود ہی فکر کرنی چاہیے۔مگر صابر جو شتر بے مہار کی طرح آزادانہ من مانی زندگی کا عادی تھا‘ان ذمہ داریوں اور بندھنوں کے لیے تیار نہ تھا۔تلخیاں بڑھتی گئیں۔اور پھر ایک دن صابر نے فرزانہ کو طلاق دے دی۔

بیوی سے چھٹکارا پانے کے بعد وہ خود کو آزاد محسوس کر رہا تھا۔باپ کی کمائی سے گھر میں جو کچھ بچتا دونوں وقت پیٹ بھرنے کے لیے مل جاتا۔لیکن شادی کے بعد ازدواجی زندگی کی جس نئی لذت سے وہ آشنا ہوا تھا‘اب اسی لذت کی محرومی اُسے بے حد ستاتی تھی۔اس نے ادھر ادھر منہ مارنے کی کوشش کی مگر نتیجہ میں جو ذلت و اور رسوائی ہوئی....اس کے لیے وہ تجربہ بھی نا خوشگوار ہی رہا۔اس کی ان حرکتوں سے تنگ آکر ماں باپ نے اسے گھر سے نکال دیا۔کچھ دن اپنے ہی شہر میں گزار کر اس نے شہر چھوڑ دیا۔اب ماں باپ کو بھی اس کی کوئی پرواہ نہیں تھی۔.....اور اسے خود بھی اپنے ماں باپ اور بھائی بہنوں کی کوئی فکر نہیں تھی۔نئے شہر میں جو کام مل جاتا کر لیتا....جو مل جاتا جہاں جیسے بھی مل جاتا وہ کھا لیتا۔فٹ پاتھ یا کسی دوکان کے چھجے پر رات گزار لیتا۔

اچانک اس کی زندگی میں ایک خوشگوار حادثہ ہو گیا۔اس کے ساتھ کام کرنے اور اسی کے ساتھ فٹ پاتھ پر سونے والے ایک شخص سے اس کی جان پہچان اور شناسائی ہو گئی۔یہ جان پہچان اور شناسائی دوستی میں تبدیل ہو گئی۔رات کو سوتے وقت ایک دوسرے کے دکھ سکھ سننے سنانے کا سلسلہ چل پڑا۔صابر نے اپنی کہانی پوری کی تو سامنے والا شخص چونک گیا۔پھر اس نے بھی اپنی پوری کہانی سنا کر بیوی کو طلاق دینے کی بات کہی۔یہاں تک تو دونوں کی کہانی ایک جیسی تھی۔صابر تو بیوی کو طلاق دے کر مطمئن تھا۔سوائے ایک وجہ کے مگر دوسرا شخص انتہائی پریشان تھا۔وہ اپنے کیے پر نادم اور شرمندہ اور پشیمان تھا۔ہر دم اسی پریشانی میں مبتلا رہتا تھا۔آخر ایک دن اس نے صابر کو دل کی بات بتا دی۔اپنی بیوی کی دیگر خوبیاں اور اچھائیوں کا تذکرہ کر کے مفتی صاحبان کہتے ہیں....مگر اس کے لیے کوئی بھروسے مند اور اعتماد کا آدمی چاہیے‘تا کہ اس سے شادی کے بعد وہ طلاق دے دے تو پھر میں اپنی بیوی سے نکاح کر سکوں۔

صابر نے اس کی تمام باتیں پورے صبر وسکون اور اطمینان سے سنیں مگر کسی ردعمل کا اظہار نہیں کیا۔لیکن ایک بات ضرور ہو گئی کہ اس دن سے صابر کے رویے میں بے حد تبدیلی آگئی۔وہ قدم قدم پر اس کی دل جوئی کرتا اور ہمت بندھاتا۔ہمدردی کا اظہار کر کے اس کا اعتماد حاصل کرنے کی کوشش کرتا۔چند مہینے گزر گیے‘اس شخص کی پشیمانی اور پریشانی بڑھتی ہی گئی۔جیسے جیسے وقت گزرتا گیا اس کی پشیمانی اور بے چینی میں اضافہ ہونے لگا۔ایک دن اس نے صابر کے سامنے ایک تجویز رکھی‘مولوی صاحب کے کہنے کے مطابق تم میری بیوی سے.... تمھارے طلاق دینے کے بعد میری بیوی سے پھر سے نکاح کر لوں گا۔چونکہ مجھے تم پر پورا بھروسہ اور اعتماد ہے‘خرچ‘رہائش اور باقی معاملات کی تم فکر نہ کرو‘وہ سب

میں سنبھال لوں گا۔اس کی باتیں سن کراس نے کسی ماہر شاطر کاروبار کی طرح خاموشی اختیار کرلی۔جس سے اس شخص کی بےچینی میں اوراضافہ ہوگیا۔اب وہ ہر دن صابر کو سمجھانے کی اور اسے راضی کرنے کی کوشش میں لگ گیا۔اور صابراس کی بےچینی کی شدت میں اضافہ کرکے اسے پوری طرح مجبور کرنے پر تُلا ہوا تھا۔اس کی خوشامد پر صابر مولوی صاحب کے پاس جانے پر تیار ہوگیا۔مولوی صاحب نے صابر کو پوری بات سمجھاتے ہوئے کہا کہ اس عمل کوحلالہ کہتے ہیں....اور یہ کہہ کراس کے علم اور معلومات میں اضافہ کردیا۔صابر کو بھی کاروبار منافع بخش لگا۔نہ بارات نہ زیور نہ کپڑے نہ کھانادانہ بس جی قبول کیا میں نے بولو....اور بن جاؤ شوہر۔

صابر نے احسان جتانے کے لیے اپنی رضامندی ظاہر کردی۔انتہائی رازداری کے ساتھ تمام معاملات پورے کرلیے گیے۔اور صابراپنی نوبیاہتا بیوی کو لے کر دوسرے شہر چلا گیا۔مولوی صاحب نے بتایا تھا کے اس کے لیے مدت طے نہیں کی جاسکتی۔تمام اخراجات چونکہ اسی شخص نے اٹھایے تھے اس لیے مکان کا کرایہ' آمد ورفت کا کرایہ' کھانے پینے کا معقول انتظام صابر کے لیے تو گویا بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا کے مصداق عیش ہی عیش تھے۔ پانچوں انگلیاں گھی میں تھیں'اس کی محرومی'بازیابی کی منزل سے ہم کنار ہوگئی تھی۔اس شخص کوامید تھی کہ دوتین روز کے بعد صابر واپس آجایے گا'پھر طلاق دے دے گا'اور بعد عدت وہ اسی عورت سے دوبارہ نکاح کرسکے گا' مگراس کا خیال غلط ثابت ہوا۔قہر درویش بر جان درویش کے مصداق وہ اپنی جگہ تلملا کر ہاتھ ملتا رہ گیا۔اس نے صابر سے فون پررابطہ قائم کرنے کی کوشش کی تو وہ فون لینے سے کترانے لگا۔آخر مجبور ہوکر وہ شخص دوسرے شہر پہنچ کر صابر سے ملاقات کی....مگراس نے مولوی صاحب کی بات کا حوالہ دے کر''اس کے لیے مدت متعین نہیں کیا جا سکتا'' کہہ کر دیدہ دلیری دکھائی۔اب تو وہ شخص بیچارہ پوری طرح بےدست وپا ہوگیا۔لذت آمیز کاروبار کا پہلا تجربہ صابر کے لیے نہایت خوشگوار ثابت ہوا'اور یہیں سے اس کا چسکا لگ گیا۔

پھر تو کسی ماہر کھلاڑی کی طرح کھل کر کھیل کھیلنے لگا۔اس کے لیے وہ کبھی کبھی میاں بیوی میں بدگمانی پیدا کر کے ناچاقی پیدا کروادیتا۔کبھی کبھی میاں بیوی کو ایک دوسرے کے خلاف ورغلا کراس منزل تک پہنچادیتا۔کتنے ہی گھروں میں اس نے مکاری وعیاری سے سیندھ لگائی'اس طرح معاملہ طلاق تک پہنچ کر ختم ہوجاتا۔فریقین کے درمیان کی غلط فہمیاں دور ہوجاتیں تو ان کا ہمدرد بن کر صابر خود کو پیش کردیتا۔اور دونوں ہی فریق اس کی مکاری اور عیاری کو سمجھ نہیں پاتے اس لیے اپنا ہمدرد سمجھ کر اپنی حماقت پر افسوس کرتے ہوے پشیماں ہوکراس کی خدمات حاصل کرلیتے۔

چونکہ ایسے تمام معاملات انتہائی رازداری کے ساتھ انجام پاتے تھے'کسی کوکانوں کان خبر نہ ہوتی' کیونکہ بات مشتہر ہونے کی صورت میں بدنامی کا اندیشہ ہوتا۔اور کوئی بھی فریق بدنامی کا خطرہ مول لینا نہیں چاہتا تھا۔صابر ہر نئے معاملے کے ساتھ ہی شہر بدل دیتا تھا۔اس لیے ہر جگہ نیے لوگ نیا ماحول' کبھی تو وہ خود کو سرکاری ملازمٔ کبھی کاروباری' کبھی وکیل اور انجینئرَ ظاہر کرتا۔گھنی آبادی والے شہروں میں جہاں ایک ہی اپارٹمنٹ میں رہنے والے پڑوسی برسوں ایک دوسرے سے مل نہیں پاتے۔وہاں اس کی یہ تمام چالیں کامیاب ہوجاتیں۔ایسے حالات میں ملازمت پیشہ عورتوں کو وہ خوب لوٹتا تھا۔ملازمت پیشہ مرد بھی جوایک مرتبہ اس کے جال میں پھنس جاتا'بس الجھتا ہی جاتا تھا۔کبھی کبھی وہ بلیک میل بھی کرتا۔آپ کا یہ راز میں لوگوں پر عیاں کردوں گا۔ بیچارے مجبور لوگ اس کی ہر جائز اور ناجائز مانگ کو پوری کرنے کے لیے مجبور ہوجاتے۔پہلے معاملے کی کمائی سے اکثر وہ دوسرا معاملہ ملنے تک بندوبست کرلیتا۔اس کا یہ کاروبار پوری رازداری کے ساتھ اچھی طرح چلنے لگا۔وہ اپنے کاروبار کا ایکسپرٹ ہوچکا تھا۔

وہ اپنے ماضی کو تقریباً بھلا چکا تھا۔بڑے بڑے شہروں میں پورے ٹھاٹ باٹ سے زندگی گزار رہا تھا۔اس کے والدین بھی ناخلف اولاد سمجھ کراس کے نام پر فاتحہ پڑھ چکے تھے۔

ایک دن عدالت کے احاطے میں ایک شخص اس سے ٹکرا گیا۔اور معافی مانگ لی۔اس اجنبی کے چہرے پراڑتی ہوائیاں دیکھ کر صابر نے اس سے حال پوچھ لیا۔۔وہ اجنبی تو گویا بھرا ہوا کیسٹ تھا۔جو پورا بج کر ہی چپ ہوا۔صابر نے اپنی عیاری ومکاری سے اسے شیشے میں اتارلیا۔اس کا مسئلہ بھی کچھ اسی قسم کا تھا۔عدالت میں مقدمہ چل رہا تھا....مگر وہ چاہتا تھا کہ عدالت کے باہر سمجھوتہ ہوجایے۔....وہ اپنے کیے پر نادم تھا مگر شریعت کی پابندی کے تحت اس کی بیوی کو بھی اس مرحلہ سے بھی گزرنا تھا۔عدالت کے احاطے میں دونوں میاں بیوی کی بات چیت ہوجاتی تھی۔وہ پھر سے ایک ہونے کے لیے اس منزل سے گزرنے کے لیے بھی تیار تھے۔مسئلہ تھا ایک اور فریق کا۔چند تاریخوں پر صابر برابر عدالت میں جاتا رہا'اور ہر تاریخ پر اس اجنبی کو اس کے کیے پر اور زیادہ نادم کرنے کے لیے مختلف حربے آزماتا رہا' آخر اس اجنبی نے اپنے دل کی بات کہہ دی۔صابر تو بس یہی چاہتا تھا'اندھا کیا چاہے دو آنکھیں'تھوڑی سی حیل وحجت کے بعد صابر راضی ہوگیا۔سارے معاملات طیے ہو گیے۔رہائش' کھانے پینے اور خرچ کا سارا بوجھ اجنبی نے قبول کرلیا۔

ایک وکیل دو گواہ اور قاضی کی موجودگی میں نکاح ہوگیا۔نقاب پوش خواتین خاموشی سے اس کے ساتھ روانہ ہوگئی۔ہوٹل میں پہنچ کر صابر نے اس کے ماضی کے بارے میں جاننا چاہا.....

اور جب نقاب پوش خاتون نے جواب اس کی بیوی تھی اپنے ماضی کو بیان کیا.....تو گویا صابر کے پیروں تلے زمین کھسک گئی۔وہ نقاب پوش خاتون اس کی سگی بہن تھی۔☆☆☆

سید قمر عالم طلعت
کاشانہ، تاج کشور نگر روڈ
توروا گرو چھک، بلاس پور
چھتیس گڑھ۔495004

تابوت میں آخری کیل

''ہوٹل فردوس'' چاندنی چوک میں ایک مشہور ہوٹل تھا۔ یہاں کے قیمے کے سموسے بہت کشش رکھتے تھے۔ شام کو جیسے ہی پہلا سموسہ تیل میں پڑتا اس کی مہک ہوٹل سے باہر آتے ہی لوگ ہوٹل میں داخل ہونا شروع ہو جاتے۔

میں اس دن ہوٹل میں داخل ہوا تو ساری جگہیں بھر چکی تھیں۔ کچھ لوگ تو کاؤنٹر کے پاس ہی ہاتھوں میں پلیٹ لئے کھا رہے تھے۔ میں نے نگاہ چاروں طرف دوڑائی تو ایک گوشے میں ایک شخص چائے پی رہا تھا۔ ایک خالی کپ اس کے آگے رکھا تھا۔ میں اسی طرف بڑھا اور اجازت لے کر سامنے کی کرسی پر بیٹھ گیا۔ بیرے سے سموسے اور بعد میں چائے لانے کو کہا۔

سموسے آتے ہی میں اس پر ٹوٹ پڑا اور کھانے میں کچھ ایسا محو ہوا کہ سامنے والا کب اٹھ کر چلا گیا خبر ہی نہیں ہوئی۔ ہاں اس کے سامنے ٹیبل پر چابیاں پڑی تھیں میں نے اُٹھا کر دیکھا یہ بینک کے لاکر کی چابیاں تھیں۔ میں اِدھر اُدھر دیکھا وہ آدمی کہیں نظر نہیں آیا۔ میں لپک کر باہر بھی نکلا لیکن اس کا کہیں پتہ نہیں تھا۔ میں نے لوٹ کر چائے ختم کی اور کاؤنٹر پر جا کر بل ادا کیا اور ہوٹل سے باہر نکل گیا۔ سوچا اب کل ہی بینک جا کر پتہ کروں گا۔

دوسرے دن بینک گیا۔ میرے قدم بینک منیجر کے روم کی طرف بڑھ رہے تھے کہ خیال آیا کہ کیوں نہ تالا کھول کر دیکھا جائے' لاکر میں ایک چابی لگائی جو نہ لگی' پھر دوسری چابی آزمائی جو گھوم گئی' لیکن لاکر بند ہی تھا' پھر پہلی والی چابی لگائی لاکر کھل گیا۔ دراز کھینچی تو لاکر میں نوٹوں گڈیاں بھری پڑی تھیں۔ میری آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔ میں نے خود کو سنبھالا۔ اس میں ایک ڈائری بھی رکھی ہوئی تھی میں نے اسے اُٹھا لیا۔ لاکر دونوں چابیوں کی مدد سے بند کر دیا اور ڈائری لے کر باہر آ گیا۔ ویٹنگ روم میں لوگ بیٹھے ہوئے تھے میں بھی ایک طرف بیٹھ گیا اور ڈائری کی ورق گردانی کرنے لگا۔

لکھا تھا ''محترمی السلام علیکم ! میرے خیال میں لاکر کی چابی غلط ہاتھوں میں نہیں پڑی۔ اس میں ایک بڑی رقم ہے جو میری بیٹی ناہید پرویز کے لئے ہے۔ اسے اس کے حوالے کر دیں جس کا پتہ نیچے درج کر رہا ہوں۔

دراصل ناہید نے اپنی زندگی کا ساتھی ایک غریب دوست کو بنانے کی سوچی تھی جو ریلوے میں نوکر تھا' مجھے کوئی اعتراض نہیں تھا لیکن میری اہلیہ اس کے خلاف تھیں۔ میں نے بہت کوشش کی لیکن وہ کسی طرح تیار نہیں ہوئیں۔ اخیر میں انھوں نے ایک شرط رکھی کہ شادی آپ کر دیں لیکن رخصتی کے بعد وہ میرے لئے مر چکی ہوگی اور کبھی میرے گھر نہیں آئے گی بلکہ میں بھی آپ کا گھر چھوڑ کر مائیکہ چلی جاؤں گی۔ میں نے اس تبدیلی کو غنیمت سمجھا' بارات آئی' نکاح ہوا اور رخصتی ہوگئی۔ رخصتی کے وقت ناہید کو ایک طرف سے میں اور دوسری طرف سے میرے لڑکے راشد نے پکڑا' اہلیہ نے دور کھڑی خشک آنکھوں سے بیٹی کی طرف دیکھا اور دوڑ کر اندر چلی گئیں۔ دوسری شرط کے مطابق اپنے لڑکے کو لے کر مائیکہ چلی گئیں۔ میرا بزنس ریاض میں تھا لہٰذا میں بھی چلا گیا۔ سال میں ایک دو بار وطن آتا تو ناہید سے ملتا وہ لوگ اب ریلوے کوارٹر میں شفٹ ہو گئے تھے۔ راشد بھی کبھی کبھی بہن سے ملنے جایا کرتا تھا۔ بڑی مشکل سے بیوی اور لڑکے کو گھر لے آیا اور۔ پھر راشد کی شادی بھی ہوئی لیکن ناہید کو شریک نہ کیا گیا۔ ناہید کے دو لڑکے بھی ہوئے' حسن پرویز اور حسین پرویز۔ میں جب جاتا ناہید کو کچھ دینے کی کوشش کرتا لیکن وہ کبھی کچھ لینے کو رضامند نہیں ہوتی۔

چونکہ اب میری عمر زیادہ ہوگئی تھی اس لئے سوچا کہ ریاض سے بزنس سمیٹ کر وطن آ جاؤں۔ بہر کیف یہ میری آخری خواہش ہے کہ یہ رقم لے کر ناہید اپنے بچوں کے شب و روز سنوارنے لگے۔ کاش یہ کام خدا آپ کے ہاتھوں سے کرا دیتا''۔

میں ڈائری اور چابیاں لے کر ناہید کے کوارٹر پر گیا۔ ناہید نے دروازہ کھولا اور ایک اجنبی کو سامنے دیکھ کر ہٹ گئی۔

میں نے پوچھا: ''تم ناہید ہو؟''

''ہاں ! آپ کون ہیں اور کس سے ملنا ہے؟''

اس نے پرویز کو آواز دی' پرویز آئے اور ہمیں اندر لے کر چلے گئے۔ ناہید بھی سامنے کرسی پر بیٹھ گئی۔ بچے اسکول گئے ہوئے تھے۔ پھر میری روداد سن کر اور ڈائری کو دیکھ کر وہ میرے ساتھ بینک آ گئے۔ لاکر کھول کر میں نے دکھا دیا' وہ دونوں تذبذب میں پڑ گئے۔ وہ دونوں مجھے چھوڑ کر ایک طرف چلے گئے۔ میں

(بقیہ صفحہ 52 پر)

Unfiled Notes Page 56

صادق علی انصاری
Nasheman.198-A,Shaikh Sarai
Sitapur-216001(U.P)

بندوبست

جب اسے ضرورت ہوتی وہ میرے پاس خود ہی چلی آتی۔کبھی اکیلی آتی اور کبھی اس کی ماں ساتھ لے کر آتی تھی۔کبھی پون گھنٹہ رکتی اور کبھی ایک یا سوا گھنٹہ رک کر واپس ہوتی۔عجیب بات یہ تھی کہ اس آنے اور جانے کے عوض کبھی کچھ طلب نہیں کیا۔

میں اکثر سوچتا کہ یہ عورت میرے پاس کیوں آتی ہے؟ بیوہ ہے نہیں۔شاید گھر کا خرچ پورا نہیں ہوتا جسے یہ خود کو بیچ کر پورا کرتی ہے۔مجھے ایسا لگا اس کے سامنے یہ مسئلہ بھی نہیں ہے۔اگلی بار جب وہ میرے بیڈروم میں آئی تو میں نے اس سے کہا:

''ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں،برا تو نہیں مانو گی؟'' کچھ دیر مجھے غور سے دیکھتی رہی اور قدرے توقف کے بعد بولی:''پوچھئے''۔

میں نے کہا :تمہارا شوہر صحت مند اور خوبصورت شخصیت کا مالک ہے۔ڈرائیوری کرتا ہے۔اچھی آمدنی بھی ہوجاتی ہے،اس کے باوجود تم یہ سب کیوں کرتی ہو؟''

اس نے کہا:''جسم کی بھوک جب زیادہ ستاتی ہے تو تمہارا سہارا لیتی ہوں۔یہ بھوک بڑی ظالم ہوتی ہے۔اس سے بڑے بڑے ہار جاتے ہیں۔میری بساط کیا ہے۔اپنی تسلی اور بدن کی بھوک مٹانے کے لئے یہ سب کرتی ہوں''۔اس نے مزید کہا''جب میرا شوہر گھر لوٹتا ہے تو بہت ہی نشے کی حالت میں ہوتا ہے۔میں اور میری والدہ اسے سنبھال کر بستر تک لاتے ہیں۔کھانا کبھی کھا لیتا ہے کبھی بھوکا سو جاتا ہے یا بستر پر پڑا گالیاں بکتا رہتا ہے۔میں آنسو بہاتے ہوئے نیند کی آغوش میں چلی جاتی ہوں۔میرے بھی ارمان ہیں،آرزوئیں ہیں اور جسم کے تقاضے بھی ہیں۔ان کو پورا کرنے کے لیے میں نے خود کو مینج کر رکھا ہے۔''

☆☆☆

اردو کتنی ضروری ہے

ایڈیشنل ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج مسٹر نمیش اپنے ریٹائرنگ روم میں بڑے سکون سے بیٹھے ہوئے تھے۔اتنے میں ان کا ایک اہلمد کمرے میں داخل ہوا

اور پھر بنا کچھ کہے واپس ہونے لگا تو نمیش جی نے اسے روکا اور گویا ہوئے:

قاسم بابو!یہ بتاؤ کہ لفظ''مبلغ'' کو ہندی میں کیسے لکھا جایے گا۔یعنی لفظ کے آخر کا اکھشر ''کا'' لکھا جایے گا یا''گا'' لکھنا پڑے گا؟''۔یہ سن کر قاسم بابو بولے:''صاحب!اب تک آپ کس طرح لکھتے ہیں؟''

جج صاحب مسکراتے ہوئے بولے:''اس بارے میں میں کچھ جانتا نہیں اس لیے''مو'' لکھ کر اس کے آگے زیرو بنا کر اپنا کام چلا لیتا ہوں۔مگر درست کیا ہے یہ جاننے کے لیے تم سے پوچھا ہے''۔

اہلمد نے بڑی تفصیل سے اس بات کی وضاحت کردی۔اس کے بعد جج صاحب نے دریافت کیا:''کیا تمہیں اردو آتی ہے؟ یہ بتاؤ لفظ جُمیداری صحیح ہے یا جَمیداری؟''قاسم کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔اس نے کہا:''صاحب! آپ اس چکر میں زیادہ نہ پڑیں۔آج کل لفظ''ذمہ واری'' لکھا جاتا ہے اور عام بول چال میں بھی رائج ہوگیا ہے۔اسے پی۔ایچ۔ڈی ہولڈر بھی استعمال کرنے لگے ہیں۔آپ کہاں تک پوچھیں گے اور میں کہاں تک آپ کو بتلاؤں گا۔☆☆☆

شکیل سہرامی
Patna(Bihar)Mob:9835642267

هزل

اس لیے اس کا گال کالا ہے — وائف نے مار کر نکالا ہے
تم جسے ہوم کا سمجھتے ہو — اصل میں کھیت کا قبالہ ہے
مت کرو کودنے کی نادانی — یہ تو رائی نہیں ہمالہ ہے
تم جسے جا رہے ہو چھپوانے — وہ تو استاد کا مقالہ ہے
فرق کچھ خاص تو نہیں لیکن — وہ جمالو نہیں جمالہ ہے
لوگ پہلا سمجھ رہے ہیں جسے — وہ مرا آخری نوالہ ہے
تم نے جانا ہے جس کو ایل ای ڈی — وہ تو موبائل کا اجالا ہے
کیوں نظر وہ چرا رہا ہے شکیل — دال میں کچھ ضرور کالا ہے

غزلیات

احمد نثار

EditorAalmiFalak.MdAliRoad
CityColony.Post'B'Polytechnic
Dist:Dhanbad-828130(Jharkhand)

سردی کی راتوں میں بہت شرمائے چاند
بھاپ بدن سے نکلے اور چھپ جائے چاند
نکلے تھے ہم سیر خلا کی کرنے کو
ڈھونڈ رہے تھے کمرے میں ہمسائے چاند
ہم بھی اس رشتے کی طلب میں زندہ ہیں
بھوک لگی ہو تب روٹی بن جائے چاند
جس کی قدرت سے یہ دنیا روشن ہے
بھیج شعائیں سورج کی، چمکائے چاند
مجھ میں ہو گھنگھور اندھیرا پھیلا جب
ایسے میں ملنے کے لئے آجائے چاند
آنسو سے ہم جس کو بھگویا کرتے تھے
بارش میں دھونے کو بدن لہرائے چاند

سید بصیرالحسن وفاؔ نقوی

HilalHouse.4/114,NaglaMallah
CivilLine.Aligarh(U.P)
Mob-9219782014

گو ہمارا اسے خیال نہیں
ہم کو اس کا کوئی ملال نہیں
میرا رب ہی نوازتا ہے مجھے
اس میں کوئی مرا کمال نہیں
ہم نے جن کو مسیحا مانا تھا
پوچھتے وہ ہمارا حال نہیں
جس کے قبضے میں ساری قدرت ہے
کچھ بھی اس کے لیے محال نہیں
تیغ تو مجھ کو دی گئی لیکن
میرے حصے میں کوئی ڈھال نہیں
ساری دنیا اسی کا جلوہ ہے
اس میں کوئی بھی قیل و قال نہیں

کے انیس اظہؔر

374,khateebStreet.Periyapet
P.O:Vaniyambadi-635751
Vellore

بختِ خفتہ کو جگائیں کیسے
زندگی اپنی بنائیں کیسے
کھو چکے جو اسے پائیں کیسے
ہم گئے وقت کو لائیں کیسے
بے رخی ان کی کھٹکتی ہے بہت
ان کو یہ بات بتائیں کیسے
بے وفا یاروں نے یہ بتلایا
رخ بدلتی ہیں ہوائیں کیسے
جس سے وابستہ ہے بچپن اپنا
دل سے وہ نقش مٹائیں کیسے
آج کے دور میں ہم اے اظہر
خود کو فتنوں سے بچائیں کیسے

قیصر واحدی

H.No:235/100.1st Floor
Kshana-E-Qaisar
Dr.ShaikhBunkarColony
Kamptee.Nagpur-441002

اجلا اجلا پیارا چاند
خواب میں میرے آیا چاند
سرخ شفق کے بیچ میں جیسے
ان کی ہنسی میں دیکھا چاند
لے گیا دل کو موہ کے میرے
جب بھی بام پر آیا چاند
اوٹ سے بدلی کی ہے جھانکے
درد میں ڈوبا آدھا چاند
دل چاہے ہاتھوں میں بھرلوں
کتنا حسیں ہے پورا چاند
قیصؔر خیر خدا سے مانگو
دیا ہے کیا جو دے گا چاند

یوسف اشرفی

SanjayNagar.Raipur(C.G)
Mob-9827983623

بات ہے دل کی زباں سے یہ بتائیں کیسے
اپنی صورت سے عیاں ہے تو چھپائیں کیسے
خدمتِ خلق کے بدلے میں ذرا دیکھ کبھی
آسماں چھوتی ہیں پھر تیری دعائیں کیسے
آگئی عید مگر سر پہ یہ کورونا ہے
کشمکش میں ہیں کہ ہم عید منائیں کیسے
جل گئی قوم فقط ایک ہی جملے سے یہاں
یہ سیاست کی لگی آگ بجھائیں کیسے
میری ہستی کے طفیل اس کا ہے دنیا میں وجود
اس پہ حق اپنا ہے لیکن یہ جتائیں کیسے
کربلا والوں کی نسبت ہے ہمارا مسلک
سامنے شاہوں کے سر اپنا جھکائیں کیسے

نور آفاق

H.No:2/153,O.PStreet
JafarabadPost.Vaniyambadi
(T.N)

بصد خوشی کوئی چاہے کسی جہاں میں رہے
مری دعا ہے کہ وہ گوشۂ اماں میں رہے
وہ ملنے آئیں تو ان کو خوش آمدید کہوں
بس اتنی جان مرے قلبِ ناتواں میں رہے
ہمارا ذکر کسی کی زبان پہ کیوں آتا
ہم اجنبی کی طرح بزمِ دوستاں میں رہے
حیات اپنی کٹی ہے سلگتے صحرا میں
فقط گھڑی دو گھڑی صحنِ گلستاں میں رہے
تُلے ہوئے ہیں اسی بات پر مرے دشمن
مرا قلم نہ رہے یا مری زباں نہ رہے
بتائیں نور بھلا کیا کسی کے بارے میں
ہم اپنے آپ سے بیگانہ اس جہاں میں رہے

سید محمد ابرار
VenusStudio.
ZilaParishadMarket
Hamirpur-210301(U.P)

دھند ہے آسمان سے پہلے
سوچ لینا اڑان سے پہلے
یہ جگہ مرکزِ عبادت تھی
آپ کے اس مکان سے پہلے
جو بھی کہنا ہے تم کو خوب کہو
منہ نہ پھیرو بیان سے پہلے
مرغ کی بانگ کہہ رہی ہے یہی
اٹھ بھی جاؤ اذان سے پہلے
کتنے اچھے مرے مراسم تھے
آپ کے خاندان سے پہلے
زیر کرنا اگر ہے دشمن کو
"تیر چھوڑو کمان سے پہلے"
پہلے اپنے کو دیکھ لو ابرار
اک مرے امتحان سے پہلے

ڈاکٹر رحیم رامش
H.No:2-6-157,NovgaonBasti
Sirpur.Kagaznagar-504296(T.S)

وسوسے دل میں آنے لگے ہیں
وہ ہمیں اب بھلانے لگے ہیں
ان کو جتنا بھلاتا میں جاؤں
اور بھی یاد آنے لگے ہیں
اک شکن بھی جبیں پر نہ آئی
اب وہ غصہ چھپانے لگے ہیں
دیکھ کر مشکلوں کے وہ لمحے
حوصلے مسکرانے لگے ہیں
حسن ان کا کہیں جل نہ جائے
"دھوپ میں شامیانے لگے ہیں"
باپ کی عمر بھر کی کمائی
بیٹے ساری اڑانے لگے ہیں
یہ ہمارے جو رامش ہیں لیڈر
دیش کو بیچ کھانے لگے ہیں

زاہد کونچوی
521/1,EsaiTola.Kamalsingh
Clony.Jhansi-284003(U.P)

گزرتی ہے میری جیسی حیات رہنے دو
تم اپنا قصہ کہو میری بات رہنے دو
اسی کی طرح ایک آدمی تو میں بھی ہوں
تو کیا ہے اعلیٰ جو ہے اس کی ذات رہنے دو
وہ جیسے گل سرِ خارِ مغیلاں رہتے ہیں
مری خوشی کو بھی یوں غم کے ساتھ رہنے دو
تمہارا بندۂ ناچیز ہوں خداوندا
ہمیشہ مجھ پہ یوں ہی التفات رہنے دو
ہمیں تو لڑنا ہے باطل سے چاہے کچھ بھی ہو
ہماری جیت ہو اب کے یا مات رہنے دو
وہ بے وفا ہے تو زاہد نبھایے کیا رشتہ
میں چاہتا ہوں اب اس سے نجات رہنے دو

ایوب عادل
MasjidMohalla.P.O:Angus
Dist-Hooghly-712221(W.B)

میں توڑ لوں بھلا کیسے اصول سے رشتہ
نہ ٹوٹ پائے گا خوشبو سے پھول کا رشتہ
یہ کررہے ہیں وہ کیچڑ اچھال کر ثابت
سفید پوشوں کا ہوتا ہے دھول سے رشتہ
یہ مخلصی نہیں احباب کی سیاست ہے
پسند ہے جنھیں پتھر سے پھول کا رشتہ
ہمارے شہر میں کچھ ایسے منچلے بھی ہیں
ہے گل کی چاہ میں جن کا ببول سے رشتہ
سنبھل کے رہیے نئے دور کی محبت سے
یہ توڑ لیتی ہے پل میں اصول کا رشتہ
یقین کرلوں میں کیسے جنابِ عادل پر
جہاں میں رکھتے ہیں کارِ فضول سے رشتہ

مظہر محی الدین
C/o:IsmailPanwale.8-1,PatilNagar
27Ward.#rdCross.IILKoppal-583231

زندگی راج دُلاری ہے یہ سچ ہے کہ نہیں
" آدمی اپنا پجاری ہے یہ سچ ہے کہ نہیں"
جس طرف دیکھئے اک ہو سماں ہو جیسے
تم نے اک عمر گزاری ہے یہ سچ ہے کہ نہیں
یاد اس داورِ محشر کی ہو دوچار گھڑی
نکہتِ بادِ بہاری ہے یہ سچ ہے کہ نہیں
مجھ سے مل کر، مجھے کھو کر، مجھے پڑھ کر تم نے
رات آنکھوں میں گزاری ہے یہ سچ ہے کہ نہیں
لاکھ ہونٹوں پہ صداقت کی صدا ہو لیکن
نفس کی مکر سے یاری ہے یہ سچ ہے کہ نہیں
چاہتیں اس کی مثالی ہیں یہ سچ ہے لیکن
وہ تو مطلب کا پجاری ہے یہ سچ ہے کہ نہیں
ہر جگہ شعبدہ بازی کا ہے عالم مظہر
ایک اک شخص مداری ہے یہ سچ ہے کہ نہیں

حمید عکسی
H.No:14-6-39,Nizxampura
MandiBazar.Warangal-506002(T.S)

اس کا دنیا میں مرتبہ کیا ہے
جو نہیں جانتا وفا کیا ہے
رنگِ دنیا بدل گیا اتنا
"یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے"
بے وفائی تجھے مبارک ہو
مجھ کو معلوم ہے وفا کیا ہے
ظلم تم اس طرح سے ڈھاتے ہو
دل دکھانے کی یہ ادا کیا ہے
کیوں تری آنکھ بھیگی بھیگی ہے
دوست مجھ کو بتا ہوا کیا ہے
تحفۂ سسرال سے جو آیا ہے
عکسی تو ہی بتا برا کیا ہے

شاہنواز انصاری

MohallMahtwana.McchliShaher
Jaunpur(U.P)
Mob-7398506948

ہو محبت دلوں میں سبھی کے لیے
"آشنا کے لیے، اجنبی کے لیے"
چار دن کی کہانی ہے یہ زندگی
دل میں نفرت نہ رکھو کسی کے لیے
تم کبھی غور سے اس کو سوچو ذرا
کیا ہے اچھا برا زندگی کے لیے
نقش دل میں سراپائے محبوب ہو
ہے ضروری بہت شاعری کے لیے
تم سے آباد ہے میرے دل کا جہاں
تم ہی تم ہو مری زندگی کے لیے
مدتوں بعد مجھ کو ہوا تجربہ
کوئی ہوتا نہیں ہے کسی کے لیے
شہنواز ایسا کوئی عمل تم کرو
جو سدا کام آیے سبھی کے لیے

نوشاد نورنگ

102,RaushanKiranApartment
1-RaviNagar.KhazranaRoad
Indore-452018(M.P)

کانٹے چبھونے والے بہاروں کا شکریہ
جاں لینے والے شعلہ عذاروں کا شکریہ
بن کر رفیق جاگتے ہیں ساری ساری رات
سینے میں پلنے والے شراروں کا شکریہ
اندازِ سینہ کوبی سکھایا تمیز سے
ان صد ہزار سینہ فگاروں کا شکریہ
ہوتا ہے ہم کو درد تڑپتے ہیں سب کے سب
دنیا کے سارے درد کے ماروں کا شکریہ
رکھتے ہیں اپنی تہہ میں چھپا کر نہنگ جو
ان آزمانے والے کناروں کا شکریہ
چکّی میں اپنی پیستے رہتے ہیں پیار سے
اس آسماں کے چاند ستاروں کا شکریہ
نورنگ ہنستے ہیں جو مرا حال پوچھ کر
ان سارے دردمند سہاروں کا شکریہ

محمد امجد سلیم امجدؔ

Mukarrampur.KarimNagar(T.S)
Mob-95506646

غریبوں کے لمحے گراں کیسے کیسے
امیروں کے دن شادماں کیسے کیسے
اِدھر خشک صحرا اُدھر سبز گلشن
بدلتی ہے دنیا سماں کیسے کیسے
تعصب کے شعلوں سے اپنے وطن میں
جلایے گئے آشیاں کیسے کیسے
ہر اک گام پر ٹھوکریں ہیں جہاں میں
مقدر میں ہیں امتحاں کیسے کیسے
ستم پر ستم ہے زمانے کا ہم پر
مصیبت میں ہیں قلب و جاں کیسے کیسے
حضور آئینے سے تغافل نہ کیجئے
سنورتے ہیں جس سے مکاں کیسے کیسے
عجب داستانِ محبت ہے امجد
دلوں میں ہیں رازِ نہاں کیسے کیسے

عارفہ رخسانہ

10-1-50,StreetCharwadan
At/Dist:siddipet-502103(T.S)

گر کوئی منشورِ حق کا پاسباں ہو جایے گا
اس کی قسمت کا ستارہ ضوفشاں ہو جایے گا
گونج اٹھے آوازِ تکبیرِ مسلسل کو بہ کو
پھر وقارِ گلستاں عظمت نشاں ہو جایے گا
پھر ہوائے تند بھی چلنے لگی ہے شہر میں
کیا یہ باغِ امن بھی اب پُر خزاں ہو جایے گا
گل سراسیمہ ہیں اور کنجِ چمن حیران ہے
کیا پتہ تھا دشمنِ جاں باغباں ہو جایے گا
ہر طرف پھیلی ہوئی ہے جب یہاں نفرت کی دھوپ
ہم پہ کیوں کر راحتوں کا سائباں ہو جایے گا
دینِ فطرت عارفہ ہے محورِ انسانیت
جو چلے گا اس پہ وہ بھی شادماں ہو جایے گا

عظیم الدین عظیم

PlotNo:78/427,LotusGarden
Jadupur.Bhubaneswar-751019
Odisha

وہ میرے شعر پہ تنقید بہت کرتے ہیں
ان کی باتوں کے مفاہیم بڑے گہرے ہیں
جانے کب تک وہ رکیں گے مجھے معلوم نہیں
قافلے درد کے جو دل میں مرے ٹھہرے ہیں
میری حالت پہ تسلی مجھے دیتے ہیں بہت
مرے احباب سبھی دل کے بڑے اچھے ہیں
اپنی باتوں کو کوئی کھل کے نہیں کہہ سکتا
حاکمِ شہر کی جانب سے لگے پہرے ہیں
سلسلہ ظلم کا جاری ہے ہر اک سمت عظیم
لوگ سب اپنے یہاں آج ڈرے سہمے ہیں

عارف محمد عارف

H.No:3-6-77,BadhLocality
NearMotiMasjid
Adilabad-504001(A.P)

پیارا کوئی تجھ سا تو زمانے میں نہیں ہے
کیا بات ہے جو تیرے دوانے میں نہیں ہے
موجود ہے جو درد نگاہوں میں ابھی تک
دنیا کے کسی اور فسانے میں نہیں ہے
لگتا ہے مجھے تیر تو کہتا ہے وہ بیدرد
بے بس ہوں کوئی اور نشانے میں نہیں ہے
کہتا ہے اسی واسطے میں دور ہوں تجھ سے
پہلے سا مزہ تجھ کو ستانے میں نہیں ہے
جل جایے کوئی میری چمک سے تو کروں کیا
کچھ لطف مجھے آگ لگانے میں نہیں ہے
سن کر مرے اشعارِ غزل چڑھ کے وہ بولا
لگتا ہے تری عقل ٹھکانے میں نہیں ہے

ایڈوکیٹ شمس الحق شمس
Deopur.P.O:Biribati
Dist:Cuttack-750100

کتاب زندگی پڑھتا رہا ہوں
مصیبت میں بسر کرتا رہا ہوں
ستم کی آندھیوں کے درمیاں بھی
مجاہد کی طرح لڑتا رہا ہوں
میں اپنی زندگی کے راستے پر
بلا خوف و خطر بڑھتا رہا ہوں
پہاڑوں پر ہے یارو اپنا مسکن
میں شاہیں کی طرح اڑتا رہا ہوں
ہمیشہ اپنی راہِ زندگی میں
کبھی گرتا کبھی اٹھتا رہا ہوں
ہمیشہ شمس پروانے کی مانند
تمہارے پیار میں جلتا رہا ہوں

محمد ممتاز شعورؔ
Qtr.No:E/2,P.W.DColony
BrooksHillAt/P.O:Sambalpur
Pi-768021(Odisha)

جو کل تک تھے انساں وہ کیا ہوگئے
تھے شبنم، شرر آشنا ہوگئے
اندھیروں نے گھیرا مجھے اس طرح
کہ سایے بھی مجھ سے جدا ہوگئے
تمنا کے سب پیڑ ہیں بے ثمر
جو ارماں تھے دل میں فنا ہوگئے
جو کل تک ملوث تھے ہر جرم میں
سنا ہے وہ اب پارسا ہوگئے
کہا تو نہیں ہم نے کچھ بھی انھیں
نہ جانے وہ کیوں پھر خفا ہوگئے
محبت نے یہ گل کھلایے شعورؔ
کہ ہم لائقِ ہر سزا ہوگئے

غلام سرور ہاشمی
BasdilaTolaMurgiyan
Gopalganj-841428(Bihar)

ناز ہم بے وفا کا اُٹھاتے رہے
اشک پیتے رہے مسکراتے رہے
بجلیاں وہ نظر سے گراتے رہے
ہم وفا کا نشیمن بناتے رہے
ہم چراغ آندھیوں میں جلاتے رہے
مات جھونکے ہواؤں کے کھاتے رہے
شمعِ عقل و خرد ہم جلاتے رہے
اور جہالت کی ظلمت مٹاتے رہے
ہم سے سرور وہ روٹھے رہے عمر بھر
زندگی بھر اُنھیں ہم مناتے رہے

سردار ساحل
46/94-6,SattarColony
kagitolaPenta.Ravidra
Nagar.Kadapa-516003(A.P)

خودی مٹ گئی تو ملا رب کا زینہ
یہ ہے اس کو پانے کا واحد قرینہ
سمندر کی موجیں محافظ ہیں میری
نہ میں نا خدا ہوں نہ میرا سفینہ
ہر اک چیز سرسبز دکھنے لگی ہے
نگاہوں جب سے بسا ہے مدینہ
کئی ٹھوکروں بعد منزل ملی ہے
شکستوں نے بخشا ہے نصرت کا زینہ
جو فطرت سے اپنی تفکر کا عادی
تو سینے میں اس کے ہے مخفی خزینہ
لہو کو قلم کی سیاہی بنا کر
گلستاں بنایا ہے کاغذ کا سینہ
مری کاوشوں کا ثمر ہے یہ ساحلؔ
غزل کا ہر اک شعر جیسے نگینہ

کاشف احسن
C&M Department.
M.T.P.S DVC
Bankura-722183(W.B)

ان میں ذرا بھی خوئے محبت نہیں ملی
لہجے میں بھی تو کوئی لطافت نہیں ملی
ناراض وہ ہیں مجھ سے پتہ چل نہیں سکا
چہرے سے ان کے کوئی علامت نہیں ملی
تہذیب کا خیال بھی رکھتا نہیں کوئی
لوگوں میں اب تو پہلی شرافت نہیں ملی
یوں تو فریب، مکر و دغا، جھوٹ عام ہے
لیکن کسی میں مجھ کو صداقت نہیں ملی
مل جاتا ساتھ آپ کا ہوتی بہت خوشی
احسنؔ کو آپ کی تو رفاقت نہیں ملی

سمیع احمد ثمرؔ
C/O:SaghirAnsari.At:Shree
Rampur.P.O:Mhammadpur.
Dt:SARAN-841223(Bihar)

اپنی سست گامی کو ہر طرح بدلنا ہے
زندگی کی راہوں میں بے تکان چلنا ہے
کوئی بھی نہیں ایسا جو سہارا دے تم کو
گر پڑو جو راہوں میں خود بخود سنبھلنا ہے
فخر سے نکلتا ہے صبح کو جو یہ سورج
وقتِ شام آتے ہی پھر اسے بھی ڈھلنا ہے
خواہشیں ہمیشہ ہی دل میں سر اٹھاتی ہیں
گود میں تمنا کی گرچہ ہم کو پلنا ہے
اے ثمرؔ مقدر میں لکھ دیا ہے کاتب نے
آگ میں مصائب کی روز ہم کو جلنا ہے

کتابوں کے شہر میں

(تبصرے کے لئے دو کاپیوں کا آنا ضروری ہے)

اگر اپنی کتابوں کا اشتہار بھی دیں تو تبصرہ ترجیحی بنیاد پر جلد شائع کیا جائے گا۔ایک صفحے کے اشتہار کی شرح ایک ہزار روپے ہے۔تبصرے کے لئے کافی کتابیں جمع ہو چکی ہیں۔ان پر تبصرہ ترتیب وار شائع ہوتا رہے گا۔(ادارہ)

کتاب کا نام۔صدمہ (افسانوی مجموعہ)

مصنف۔۔محمد طارق　　　　تبصرہ نگار۔عبدالمتین جامی

زیرِ نظر کتاب مشہور افسانہ نگار محمد طارق کی بارھویں پیش کش ہے۔قبل ازیں انہوں نے کانٹے کی فصیل، توبہ،عینی شاہد،شہر کی چوری کے نام سے چار افسانوی مجموعے اور ایک افسانچوں کا مجموعہ شائع کیا ہے۔علاوہ ازیں بچوں کا ادب تخلیق کرنے میں بھی پیش پیش رہتے ہیں۔اس ضمن میں الٹا پیڑ اور پھلوں کا جلسہ کے نام سے دو کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔طنز ومزاح کے میدان میں بھی فعال ہیں۔اس موضوع پر ان کا قلم بڑی روانی سے چلتا ہے۔اس کے علاوہ افسانوں اور طنز ومزاح کے موضوع پر مزید چند کتابیں اشاعت کی منتظر ہیں۔

ادبی خدمات کے اعتراف میں انھیں مہاراشٹرا اردو اکاڈمی تین بار اعزازت سے نواز چکی ہے۔بہار اردو اکاڈمی اور یو پی اردو اکاڈمی نے بھی انہیں انعامات سے نوازا ہے۔آج کے اس کنبہ پروری اور خود غرضی کے عہد میں اکاڈمیوں کے ذریعہ نوازا جانا اس بات کی دلیل ہے کہ طارق صاحب بلا شبہہ میدانِ ادب کے ایک ایسے شہسوار ہیں جن کو آسانی سے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔اتنے سارے انعامات حاصل کر لینا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ہم اسی لئے ان کو مبارکباد پیش کرتے ہیں۔

جیسا کہ اردو قارئین کو اس بات کا ادراک ہے کہ سیکس پہ مبنی منٹو کے افسانوں نے ایک زمانے میں تہلکہ مچا دیا تھا لیکن ان کی راہ پر چلنے والے صرف دو ہی کہانی کار گزرے ہیں۔،ایک خاتون افسانہ نگار عصمت چغتائی اور دوسرے ممتاز مفتی ہیں۔ان دونوں کے یہاں جنسیات پر مبنی تحریریں اشاروں اور کنایوں میں ہوتی ہیں جبکہ منٹو کی تحریروں میں راست بیانیہ ہوتا ہے۔منٹو کے طرزِ تحریر سے استفادہ کرنے والوں میں محمد طارق ایک اہم نام ہے۔موصوف کی تحریروں سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ وہ ایک دردمند دل رکھتے ہیں۔سماج کے سب سے کمزور طبقہ کے لوگ جن کو نہ تو کھانا ہی صحیح ڈھنگ سے ملتا ہے اور نہ سر چھپانے کو ایک جھونپڑی ہی نصیب ہوتی ہے،خود غرض انسانوں کے اس جمِ غفیر میں ان کے افسانوں میں انھیں کمزور طبقہ کے لوگوں کی ترجمانی ہوئی ہے۔کام چور قسم کے کچھ لوگ اپنی بیوی، بیٹی وغیرہ کی عزت کا بیوپار کرتے نظر آتے ہیں۔جنسی بھوک کے شکار لوگ اپنی بیٹی بہو یا بھابی بھتیجی کا بھی خیال نہیں رکھتے۔اسی موضوع پر طارق صاحب کی کہانیاں اس کتاب کی زینت بنی ہیں۔ڈاکٹروں کی طلبِ زر کو بھی فنکارانہ انداز سے پیش کیا گیا ہے۔ایسے لالچی ڈاکٹر جھوٹ فریب اور دھوکے سے مریضوں کا استحصال کرتے ہیں۔طارق صاحب نے اس تلخ حقیقت کو اجاگر کرکے حق پسندی کا ثبوت فراہم کیا ہے۔ایک افسانے میں ایک ستم رسیدہ عورت کی کہانی پیش کی گئی ہے جو اپنے معصوم نوزائیدہ بچے کی جان بچانے کے لئے اپنی عزت کا سودا کرنے سے نہیں چوکتی۔اس کہانی میں ماں کی عظمت کو اجاگر کیا گیا ہے۔

کتابِ ھذا میں احساس کا قتل،بٹا،صدمہ وغیرہ ایسی کہانیاں ہیں جو انسانیت،ہمدردی اور رحم دلی کی تحریک دیتی ہیں۔موصوف نے خود اپنے دیباچہ میں لکھا ہے کہ ”صدمہ کے افسانے پڑھ کر اگر آپ کو صدمہ پہنچے تو میں سمجھوں گا کہ میں اپنی کوشش میں کامیاب ہو گیا“۔واقعی یہ کہانی بڑی دردانگیز ہے جس کے لیے طارق صاحب بجا طور پر مبارکباد کے مستحق ہیں۔

کتاب میں کل پندرہ افسانے شامل ہیں اور ہر افسانہ معاشرے میں درآئی ناہمواریوں کی نشان دہی کرتا ہے۔یہ سبھی افسانے اصلاحِ معاشرہ میں یقیناً معاون ہوں گے۔سلیس اور سادہ زبان میں یہ افسانے دلچسپ اور لائقِ مطالعہ ہیں۔اس لیے امید واثق ہے کہ ان کی پہلے کی کتابوں کی طرح اس کی پذیرائی بھی خوشدلی سے کی جایے گی۔کتاب کی قیمت صرف ۱۵۰ روپے ہے اور ملنے کا پتہ ہے:
انعام دار ہاؤس،کولہاپور،تعلقہ بھات کولی،امراوتی ۴۴۴۸۰۲ (مہاراشٹرا)

کتاب کا نام۔ٹمل ناڈو کا مفکر شاعر (حیات وخدمات)

مصنف۔علیم صبا نویدی　　　　تبصرہ نگار۔عبدالمتین جامی

ساری دنیا کا بوجھ ہم اٹھاتے ہیں کہ مصداق محترم علیم صبا نویدی نے دکن میں اردو لکھنے پڑھنے والوں کی تشہیر کا بوجھ ضرور اپنے سر پر اٹھا رکھا ہے۔زیرِ نظر کتاب میں دکن یعنی بطورِ خاص ٹمل ناڈو کے ایک نابغۂ روزگار شاعر دانش فرازی کے تعلق سے علیم صبا نویدی صاحب نے خامہ فرسائی کی ہے۔کتاب ھذا میں نہ یہ کہ صرف دانش صاحب کی شاعری کا تذکرہ کیا ہے، بلکہ ان کی زندگی کے مشاغل پر بھی روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ساتھ ہی ان کے ایک رفیق مشہور ادیب وشاعر کاوش بدری کا بھی ذکر کیا ہے۔

موصوف کے مطابق ٹمل ناڈو میں ترقی پسند تحریک کی ابتدا ۱۹۵۰ء میں ہوئی۔اوراس تحریک کوزندہ رکھنےاورآگے بڑھانے میں کاوش بدری اوردانش فرازی نے بھی بہت اہم رول ادا کیا ہے۔کاوش بدری صاحب نے نورس خیامی کوساتھ لےکر۱۹۶۰ء میں مدراس سےایک ترقی پسند جریدہ ''فنکار'' نکالا جس کوشمال وجنوب کے تقریباًتمام چوٹی کے قلمکاروں کاتعاون حاصل رہا۔اس رسالے کی تعریف میں کئی خطوط لکھے بطورِخاص اسلوب احمد انصاری نے جو کچھ لکھا یقیناً کاوش اوردانش دونوں کی خوب حوصلہ افزائی ہوئی ہوگی۔کرشن چندرجیسےادیب نے بھی حوصلہ افزائی کی۔ان حضرات کے حوصلہ افزا کلمات نے یقیناً دانش فرازی کواپنے شروع کیے ہوئے کام کواختتام پذیر کرنے کاحوصلہ ملا ہوگا۔بہرکیف علیم صبا نویدی صاحب نے نمونہ کے طور پر دانش فرازی صاحب کے چند اشعار کے حوالے بھی دیے ہیں۔دانش صاحب کی نظموں کا بھی تذکرہ بھی ہے۔ان کے چند قطعات کانمونہ بھی اس کتاب میں شامل ہے جواعلیٰ معیار کے ہیں۔ان میں بلا کی روانی پائی جاتی ہے۔نمونہ ملاحظہ فرمائیں:.

نقاش ہو،معمار ہو یا سنگ تراش۔دے جاتا ہےدنیا کولہو کی سوغات
یہ کس کوخبر کون کہاں رہتا ہے۔صدیوں سے ہلاتا ہےمگردور سے ہات

☆

یہ سنگ کی قسمت کہ بنا تاج محل۔یہ خاک کی تقدیر بنے دیروحرم
اٹھ سکتی ہےدیواربلندی کی طرف۔اور خاک بسر ہستئی ابنِ آدم

☆

اےدوست بدل جائیں گےحالات ضرور۔ٹوٹے گا یہ افسونِ روایات ضرور
ہوں صبح کے رستے پہ اگرگرمِ سفر۔ہوجائے گی سورج سےملاقات ضرور

مندرجہ بالا قطعات کے حوالے سے اعتراف کرنا پڑے گا کہ دانش فرازی ایک بلند پایہ شاعر ہیں جن کے کلام میں یاس وحسرت ہےتو امید افزا مستقبل کا خواب بھی بدرجہ اتم موجود ہے۔فکری عناصر سے بھی ان کی شاعری مالا مال ہے۔بہرکیف علیم صبا نویدی صاحب کاشکریہ ادا کرنا پڑے گا کہ انھوں نے دانش جیسے شاعر کوجنہیں نئی نسل کے لوگ بہت کم جانتے ہیں کی یادکوتازہ کرکے زندۂ جاوید بنا دیا ہے۔امید ہے یہ کتاب بھی ہاتھوں ہاتھ لی جایے گی۔اس کی قیمت ہے ۳۰۰/روپےاورمصنف کا پتہ ہے:ٹرپلیکین ہائی روڈ۔فلیٹ نمبر۔16 سکنڈفلور۔رائس منڈی اسٹریٹ۔چنئی۔600002

کتاب کانام۔خیالِ کاشف (شعری مجموعہ)

شاعر۔انجینئر کاشف احسن تبصرہ نگار۔عبدالمتین جامی

''خیالِ کاشف'' کے شاعرانجینئر کاشف احسن نے شاعری کی دنیا میں ابھی ابھی قدم رکھا ہے۔ان کی اپنی لکھی ہوئی تقریظ بعنوان ''اپنی بات'' کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنی کم عمری کے باوجود اپنے اندر امکانات کی ایک وسیع کائنات رکھتے ہیں۔شروع شروع ہی میں ان کے یہ تیوراس بات کی غمازی کرتے ہیں۔ان کی خوداعتمادی اس بات پر دال ہے کہ ایک حسین مستقبل ان کے قدموں پر نچھاور ہونے والا ہے۔ان کی شاعری پرمحترم سعید رحمانی صاحب نے اپنی مختصر آراء میں لکھا ہے کہ اپنے پہلے پڑاو پر انہوں نے اپنی تخلیقی بصیرت سے جو عمدہ نقوش مرتب کئے ہیں ان کے پیشِ نظر ان کے درخشاں مستقبل کی ضمانت دی جا سکتی ہے۔ناچیز کا بھی یہی خیال ہے کہ کاشف کے ساتھ وہی ہونے والا ہے جس کی پیشین گوئی سعید رحمانی صاحب نے کی ہے۔موصوف کے اس شعر کو لیجئے جس سے ان کی جواں فکری جھلکتی نظر آتی ہیں۔کہتے ہیں:

ان کا جلوہ اس قدر جوساحرانہ ہوگیا۔دیکھ کراس کوزمانہ بھی دیوانہ ہوگیا
کیابیاں میں کرسکوں گااس کے چہرے کاجمال۔ دیکھ کراس کومیرا دل عاشقانہ ہوگیا

اوپر کے دونوں اشعار سےان کی جمالیاتی حس کااظہار ہوتا ہے۔لیکن جب ان کے قلم سے یہ شعر بھی معرض وجود میں آتا ہے کہ

جب بھروسہ ہی نہیں اک دوسرے پہ آج کل
خودہی اپنا آپ چوکیدار ہونا چاہئے

گوکہ اندازِ بیان میں کچھ ناپختگی کا احساس ہوتا ہے۔لیکن عصری حالات پر گہری نظر رکھتے ہیں اورآج کی معاشرتی ناہمواریوں پرنشتر زنی بھی کرتے ہیں۔آگے چل کر جب انہیں احساس ہوجائے گا کہ''اوربھی غم ہیں زمانے میں محبت کے سوا''توان کی شاعری عصری حالات سے پوری طرح ہم آہنگ ہوجایے گی۔

میں نے ان کے مجموعہ کلام کا بغور مطالعہ کیا تو پتہ چلا کہ انہوں نے کچھ ایسے بےمصرف الفاظ کا استعمال محض شعر کے وزن کو برقراررکھنے کی غرض سے کیا ہے۔مثلاً

لگائی ہےٹھوکر کچھ ایسی جہاں نے
مرےہوش اب تو ٹھکانے لگے ہیں

یہاں تو کا استعمال کھٹکتا ہے بہر حال مندرجہ ذیل چند اشعار متاثر کرتے ہیں:

چلتے چلتے صحرا میں یہ اثر نکل آیا۔ڈھونڈنے جو نکلےتو راستہ نکل آیا
مری غزلوں میں شامل خوبصورت استعارے ہیں
مرےلفظوں میں میری فکر کےروشن ستارے ہیں

اس طرح سے کئی اشعار ایسے بھی نظر آئے جو ہمارے دلوں میں اچھے اثرات مرتبت کرتے ہیں۔ابھی کاشف صاحب کا ابتدائی سفر ہے۔ان کی

محنت،لگن کے ساتھ ساتھ ان کے تیور کو دیکھ کر کہا جا سکتا ہے کہ آگے چل کر شاعری کی دنیا میں اپنا نام ضرور روشن کریں گے۔اس کتاب کی قیمت ہے ۱۵۰/روپے اور شاعر کا پتہ ہے:انجینئر کاشف احسن۔ C&M Department.
M.T.P.C, D.V.C Bankura-722183(W.B)

☆☆☆

کتاب کا نام۔ڈاکٹر قطب سرشار بحیثیت شاعر،نقاد ومترجم
مصنف۔ڈاکٹر عبدالنعیم　　　مبصر۔عبدالمتین جامی

زیرِ نظر کتاب دراصل ایک تحقیقی مقالہ ہے جسے پیش کر کے ڈاکٹر محمد عبدالنعیم نے پی۔ایچ۔ڈی کی ڈگری حاصل کی ہے۔

ڈاکٹر قطب سرشار تقریباً پچاس ساٹھ سالوں سے اردو کی خدمات انجام دیتے آرہے ہیں۔مختلف موضوعات پر اب تک ان کی تقریباً پچاس کتابیں منظرِ عام پر آچکی ہیں۔ڈاکٹر محمد عبالنعیم نے ان سبھی کتابوں کی روشنی میں اپنا تحقیقی مقالہ پیش کیا ہے۔کتاب کی ابتدا میں ان کا تحریر کردہ مقدمہ گیارہ صفحات پر مشتمل ہے۔

بہر حال اس مقالے میں انھوں نے ڈاکٹر قطب سرشار کی ہمہ جہت ادبی خدمات کا جائزہ بڑی تفصیل سے اس طرح پیش کیا ہے کہ کوئی گوشہ تشنہ نہیں رہا ہے۔ڈاکٹر سرشار کی شاعری پر روشنی ڈالتے ہوئے موصوف نے لکھا ہے کہ ''پورے اکاون برسوں کے شعری سفر میں انہوں نے صرف چار شعری مجموعے دیے ہیں۔پہلا مجموعہ ''انفس وآفاق ۱۹۸۲ء میں شائع ہوا،دوسرا مجموعہ اوراقِ تازہ ۱۹۹۳ء تیسرا مجموعہ ''اظہار'' ۲۰۰۷ء میں یعنی چودہ برس بعد اور پھر چوتھا شعری مجموعہ ''اصباح'' ۲۰۰۹ء میں۔

زیرِ نظر کتاب کل سات ابواب میں تقسیم ہے جن کے تحت ڈاکٹر سرشار کے احوالِ زندگی،تصانیف،شعر گوئی،نقد وتحقیق،تبصراتی مضامین،ترجمہ نگاری اور علمی خدمات کا جائزہ لیا گیا ہے۔اور آخر میں اختتامیہ شامل ہے۔

پہلے باب میں ڈاکٹر قطب سرشار صاحب کی پیدائش سے لے کر تعلیم،شادی اور ملازمت اور ان کے رفقائے کار کا جائزہ لیا ہے۔اس باب کے مطالعہ سے ہمیں اس بات کا ادراک ہوتا ہے کہ ان کا بچپن مالی پریشانیوں کے درمیان گذرا۔ایک معمولی سی ملازمت کر کے ان کے والد نے ان کی پرورش وپرداخت کی۔بلاشبہ سرشار صاحب کی زندگی سبق آموز ہے۔عالمی تاریخ میں اس طرح کی بہت سی مثالیں پہلے ہی موجود ہیں۔دنیا کی متعدد نامور شخصیتوں نے محنت مزدوری سے زندگی کا آغاز کیا اور عزم وحوصلہ سے تاریخِ عالم کے صفحات پر اپنا ان مٹ نقش چھوڑ گئیں۔ایسے لوگ ماضی میں بھی موجود تھے اور حال میں بھی سانس لے رہے ہیں۔اور شاید مستقبل میں بھی رہیں گے۔ہماری اپنی زبان کی بے لوث خدمات انجام دینے والے کئی شعراء وادباء نے بھی نامساعد حالات میں زندگی گزارنے کے باوجود نام ور ہستیوں میں شامل ہو گئے ہیں۔ہمارے ممدوح حضرت قطب سرشار بھی ایسے ہی عظیم ہستیوں میں شامل ہیں۔بہر حال ان کی زندگی اور خدماتِ ادب اور مقامِ کامیابی تک پہنچنے کی ان کی تگ ودو قابلِ مطالعہ ہے۔دراصل یہ تمام باتیں مرضیٔ الٰہی پر انحصار کرتی ہیں۔اللہ جس سے جو کام لینا چاہتا ہے کسی بھی طرح لے لیتا ہے۔۔اور وہ ہر طور منزلِ مقصود کو پہنچ جاتا ہے۔کتاب ھٰذا ہمیں اسی عزم وحوصلہ کا سبق دیتی ہے۔اس کے مطالعہ سے نئی نسل کے لکھاریوں کے اندر جوش وجذبہ پیدا ہو جائے گا انشاءاللہ۔۲۶۷ سفحات پر مشتمل اس کتاب کی قیمت ہے ۳۰۰/روپے اور ملنے کا پتہ:ایڈیٹر کوہسار جرنل۔بھیکن پور۔۳،ضلع بھاگلپور۔812001(بہار)

کتاب کا نام۔نقشِ معنی　　　(تنقیدی مضامین)
مصنف۔محمد شرف الدین ساحل　　　مبصر۔عبدالمتین جامی

ڈاکٹر محمد شرف الدین ساحل کی ہمہ جہت شخصیت اظہر من الشمس ہے۔شعر وشاعری،نقد وتحقیق،تاریخ وتحقیق،تنقید،تدوین،شرح وتفہیم اور دیگر موضوعات پر ابتک ان کی کوئی ۳۸/تصنیفات منظرِ عام پر آچکی ہیں۔انھوں نے جو گرانقدر ادبی خدمات انجام دی ہیں اسکے اعتراف میں مختلف ادبی وثقافتی تنظیمیں انعامات دے چکی ہیں جبکہ ۱۲/عدد اردو اکاڈمیوں اور ادبی اداروں نے انھیں اعزازات سے سرفراز کیا ہے۔

ظاہر ہے جو شخص تن تنہا ۳۸ کتابیں ۱۹۷۴ء سے اب تک تصنیف کر سکتا ہے تو اس کے شب وروز صرف تالیف،تدوین نیز تحقیق وتخلیق میں گذرے ہوں گے۔ایسا بھی نہیں کہ دنیا نے ان کی جانب سے آنکھیں بند کر لیں ہیں بلکہ ان کے ان ادبی کارناموں کے صلے میں کافی پذیرائی بھی کی ہے۔یوپی،مہاراشٹر،اردو اکاڈمیوں کی جانب سے ۳۱/ایوارڈ مل چکے ہیں۔بعض کتابوں کی پذیرائی بطور انعامات سے بھی نوازے گئے ہیں۔ان سب انعامات حاصل کرنے کے علاوہ ان کو مہاراشٹر،ناگپور،پونے وغیرہ اہم مقامات میں مختلف اداروں کے صدر کی حیثیت سے ذمہ داریتفویض کی گئی۔تعجب ہے کہ اتنی ساری ذمہ داریوں کو نبھانے کے ساتھ ان کو اتنا کچھ لکھنے اور پڑھنے کا وقت کیسے میسر آجاتا ہے۔

زیرِ تبصرہ کتاب ''نقشِ معنی'' میں تبصراتی وتنقیدی مضامین شامل ہیں جن کی کل تعداد ۳۱ ہے۔''اردو حمد ومناجات میں ہندستانی عناصر واقعی ایک اچھا مضمون ہے''۔اس ضمن میں روشنی ڈالتے ہوئے آپ فرماتے ہیں کہ حمد ومناجات کہنے کا سلسلہ زمانۂ قدیم چلا آرہا ہے۔فیروز شاہ تغلق کے زمانے میں ایک صوفی شاعر شیخ داؤد اودھی نے ایک مثنوی لکھی ہے جس میں میگھ (بادل) پون (ہوا) مانکڑ (بندر) گوں اگھار (گھڑیال) بھنور (بھنورا) چندن (صندل) ناگ

(سانپ) کوَل (مینڈک) گور (گنول) داکھ (انگور) ایکھ (گنّا) ہاتھی گھوڑے اور ہرن کا بھی تذکرہ ہے۔ان چیزوں کے تذکرہ سے پہلے خدا کی تعریف بیان کرتے ہیں جس نے بادل اور ہوا کو بنایا، انہیں زور دیا بجلی بنا کر اس کی چمک نمایاں کی۔

اس عہد کے نامور شعراء میں فخر الدین نظامی کا نام آتا ہے۔موصوف وحدت الوجود (ہمہ اوست) کے فلسفیانہ نظریہ کے زبردست حامی تھے۔ان کو کائنات میں ہر طرف ہر شئے میں خدا ہی خدا نظر آتا تھا۔دراصل یہ تصور ویدانت کے اثرات کا نتیجہ ہے۔اس مضمون کے مطالعہ سے یہ احساس ہوتا ہے کہ آج سے چھ سات سو سال قبل ہندستان میں مسلم فقیروں اور درویشوں کے افکار و خیالات پر ویدانت کے اثرات نمایاں تھے۔

بہر حال یہ مضمون مطالعہ کے قابل ہے۔اس کے علاوہ دوسرے مضامین بھی قابلِ مطالعہ ہیں۔دوسرے مضامین میں محسن کاکوروی، سرسید احمد، مولانا حالی، علامہ شبلی نعمانی، اقبال، ٹیگور، حضرت بابا تاج الدین، جگر، مولانا ناطق، مکتوب نگاری کافن وغیرہ موضوعات پر تحریریں بصیرت افروز ہیں۔ان مضامین سے ساحل صاحب کی ژرف نگاہی کا پتہ چلتا ہے۔کتاب کی ضخامت ۲۵۲ صفحات پر مشتمل ہے اور قیمت صرف ۱۵۱ روپیہ ہے۔قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان کے مالی اشتراک سے یہ کتاب چھپی ہے جسے ذیل کے پتے سے حاصل کیا جا سکتا ہے:

ساحل کمپیوٹرس۔حیدری روڈ۔مومن پورہ۔ناگپور۔440018

کتاب کا نام۔"نارنگ ساقی" حیات و ادب

مصنف۔نذیر فتحپوری　　مبصر۔عبدالمتین جامی

کتابِ ھٰذا کے مصنف نذیر فتح پوری ہیں۔ماہنامہ اسباق کے مدیر ہونے کی حیثیت سے ان کا نام پوری اردو دنیا میں مشہور ہے۔ان کے کارناموں کی فہرست گنوانا میرے لئے ممکن نہیں۔موصوف کی اب تک ۲۹ کتابیں منظرِ عام پر آچکی ہیں۔موصوف نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نعتیہ کلام بھی کہے ہیں۔اس کے علاوہ پابند نظمیں، آزاد نظمیں، بچوں کا ادب، مکتوبی تبصرے، ادبی مضامین، سفر نامے اور غزلیں وغیرہ ہر صنفِ ادب میں اپنی منفرد شناخت رکھتے ہیں۔سب سے بڑی بات یہ ہے کہ صرف پانچویں کلاس تک تعلیم حاصل کرنے کے باوجود ادبی دنیا میں انھوں جو کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں اس کی نظیر خال خال ہی نظر آتی ہے۔

ان کی تازہ ترین تصنیف "نارنگ ساقی حیات و ادب" گو کہ مختصر ہے مگر بلیغ انداز سے نارنگ ساقی کی حیات اور کارناموں پر مفصل روشنی ڈالی گئی ہے۔انہوں نے ۲۰۱۲ء میں بھی "مئے خانۂ اردو کے پیرِ مغاں نارنگ ساقی" کے عنوان سے ایک دستاویزی نوعیت کی کتاب پیش کی تھی جس میں نارنگ ساقی کے فکر و فن پر ہندو پاک کے معتبر ادیبوں کے مضامین شامل ہیں۔

کتاب کی ابتدا" جناب کے ایل نارنگ ساقی" کے عنوان سے ایک منظوم توصیف نامہ سے ہوتی ہے۔نذیر صاحب کا اندازِ تحریر اس قدر شگفتہ اور دلچسپ ہے کہ قاری اسے ایک ہی نشست میں ختم کرنے کی کوشش کرے گا۔ان مضامین میں سے خصوصاً گفتِ باہمی، توشیح نظم، ساقی اور پیمانہ، نارنگ ساقی کی ادبی خدمات، نارنگ کی ادب شناسی، نارنگ ساقی کی شعر شناسی، مئے خانۂ اردو کا پیرِ مغاں، نارنگ کے نام مشاہیر کے خطوط، کشمیری لال ذاکر، ایک دوست قتیل شفائی وغیرہ کے مطالعہ سے صاف ظاہر ہے کہ نذیر صاحب زبان و ادب پر اچھی گرفت رکھتے ہیں اور جس موضوع پر بھی قلم اٹھاتے اس کا حق ادا کر دیتے ہیں۔

نذیر فتح پوری ایک ایسے ادیب ہیں جن کو اسکول یا کالج کی تعلیم حاصل کرنے کا موقع نہیں ملا۔ابتدائی زندگی بڑی تکلیفوں میں گزری۔محنت مزدوری کر کے اہلِ خانہ کی کفالت کرتے تھے۔اس کے باوجود انھوں نے ہمت نہیں ہاری۔وسیع مطالعہ نے ان میں اتنی ادبی صلاحیت پیدا کر دی کہ اپنی تحریروں کے ذریعہ ادبی دنیا میں اپنی منفرد شناخت بنالی۔آج ان کا شمار ملک کے معتبر شاعروں، ادیبوں اور صحافیوں میں کیا جاتا ہے۔سچ ہے خدائے بزرگ و برجس سے جو کام لینا چاہتا ہے لے لیتا ہے۔انہیں مرحوم عتیق احمد عتیق اور کالی داس گپتا رضا جیسے صحافی نیز ادباء و شعراء کی صحبت نے کندن بنا دیا ہے۔

بہر حال کتابِ ھٰذا کے مشمولات نارنگ ساقی کی شخصیت اور ان کے فن کی تفہیم میں بڑی حد تک معاون ہیں۔کتاب کی قیمت ہے صرف ۱۵۰ روپیہ اور ملنے کا پتہ ہے مدیر سہ ماہی اسباق، سائرہ منزل 230/B/102، ومان درشن، سنجئے پارک لوہ گاؤں روڈ، پونے ۴۱۱۰۳۲ (مہاراشٹر)

کتاب کا نام۔زاویۂ نگاہ　　(تنقیدی مضامین)

مصنف۔شارق عدیل　　مبصر۔سعید رحمانی

شارق عدیل ادب کے عصری منظر نامہ میں ایک ہمہ جہت قلمکار کے بطور معروف ہیں۔شاعری کے علاوہ نقد و تحقیق کے باب میں بھی انہوں نے اپنی تخلیقی بصیرت کا جواز فراہم کیا ہے۔اب تک ان کے پانچ شعری مجموعے" آہٹ، فصیل، قشقہ، کرب زار، اور دھنک (ہندی) کے نام سے شائع ہو کر اہلِ ادب سے خراج حاصل کر چکے ہیں۔

زیرِ نظر کتاب ان کے تنقیدی اور تبصراتی مضامین پر مشتمل ہے۔۲۹۵ر صفحات پر مشتمل اس کتاب میں کل ۳۴ر مضامین ہیں جن میں نظمیہ اور غزلیہ شاعری کے جائزہ کے علاوہ مختلف شعراء اور ان کے شعری مجموعوں پر بسیط سے روشنی ڈالی گئی ہے۔اس کا پہلا مضمون آزاد نظم کی حمایت میں ہے۔کچھ لوگ آزاد نظم پر

اعتراض کرتے ہیں۔وہ اس لئے کہ اس میں بحوراوراوزان کا خیال نہیں رکھا جاتا۔ شارق صاحب نے اس کی تردید مدلل طریقے سے کی ہے اوران کے خیال سے اتفاق کیا جاسکتا ہے۔غزل کے تعلق سے دوسرے مضمون میں ان معترضین کا جواب دیا ہے جواس کی ریزہ خیالی کو ناپسند کرتے ہیں۔ان معترضین میں کلیم الدین احمد نے تواسے وحشی صنف کہہ کر معتوب کیا ہے۔یہ سچ ہے کہ تجرباتی دور میں کچھ شکست وریخت ہوئی ہے لیکن اس کے بعد سے غزل اپنی سابقہ پٹری پر رواں دواں ہے اور اردو کی آبرو سمجھی جاتی ہے۔ایک مضمون ہے ''تنقید کا گرتا ہوا معیار''۔اس میں انہوں نے شمس الرحمن فاروقی کی اس رائے کے حوالے سے کہ ''ہندستان کے مقابلے میں پاکستان کی غزلیہ شاعری بہتر ہے'' پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے مدیر ''سرسبز'' کرشن کمار طور کا حوالہ دیا ہے جو اس رائے سے اتفاق نہیں رکھتے۔اس سے شارق صاحب نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ دونوں ممالک کے شعروادب کے بیچ مقابلہ آرائی سے بچنا ضروری ہے۔ورنہ سرحدوں کی تقسیم کی طرح اردو شعروادب بھی خانوں میں بٹ کر اپنی اہمیت کھودیں گے۔دیگر مضامین میں ڈاکٹر اسلم حنیف،احمد کمال پروازی'ڈاکٹر سیفی سرونجی،رئیس الدین رئیس،سعید رحمانی،نذیر فتح پوری،غلام مرتضیٰ راہی،شان بھارتی جیسے معروف شعراء کے فکروفن کا محاسبہ بڑے سلیقے سے کیا ہے۔کچھ مضامین غزل میں تجربات کے حوالے سے بھی شامل ہیں۔

آخر میں اتنا کہنا چاہوں گا یہ سبھی مضامین لائقِ مطالعہ ہیں۔آرائشی پیرایہ اُظہار سے ہٹ کر شارق صاحب اپنی بات سیدھے سادے انداز میں مگر استدلال اور صفائی کے ساتھ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ قاری ان سے اتفاق کیے بنا نہیں رہ سکتا۔زبان وبیان کی سلاست اور طرزِ نگارش قاری کو اس کتاب کے مطالعہ کے لئے مجبور کرتی ہے۔یہ بات شارق صاحب کی تنقیدی بصیرت پر دال ہے۔امید ہے کہ ادبی حلقوں میں اس کتاب کی خوش دلی سے پذیرائی کی جائے گی۔اس کی قیمت ہے ۱۸۱ روپیہ اور مصنف کا پتہ ہے۔شارق عدیل،ڈاک خانہ مارہرہ، ضلع ایٹہ۔۲۰۷۴۰۱ (یو.پی)

کتاب کا نام۔جذبۂ بے اختیار (مشاہیر کے خطوط ساحل کے نام)

ترتیب وانتخاب۔محمد رفیع الدین　　　مبصر۔عبدالمتین جامی

آج سے بیس سال قبل تک خطوط نگاری کا سلسلہ جاری تھا۔لیکن سائنس کی بے انتہا ترقی کے بعد موبائل اور دیگر ذرائع ابلاغ کی دریافت کے بعد خطوط نگاری سے لوگوں کی دلچسپی کم ہوتی گئی۔حتیٰ کہ عاشقوں کا جوڑا بھی اب خط لکھنے کی بجائے موبائل سے رابطے کو ترجیح دینے لگا ہے۔تاہم یہ خیال تھا کہ شاعروں اور ادیبوں کے درمیان کم از کم خطوط نگاری کا سلسلہ جاری رہے گا مگر یہ بات بھی اب خواب وخیال نظر آنے لگی ہے۔ہرکوئی اب ڈاک خانہ جانے کی بجایے موبائل سے اپنے پیغامات کی ترسیل کرنے لگا ہے۔

ان حالات کے تناظر میں اگر آپ اپنی کتاب کسی کو بھیجتے ہیں تو تحریری شکل میں کسی کے تاثرات پانے کی امید نہ رکھیں۔اول تو ہم اردو والوں میں یہ بے حسی عام ہے کہ کسی کی کتاب پانے پر رسید تک دینے کی زحمت گوارا نہیں کرتے ایسے میں تاثرات کی امید رکھنا ہی فضول ہے۔

البتہ چند دہوں قبل جب کہ ذرائع ابلاغ نے اس قدر ترقی نہیں کی تھی لوگ کتاب ملتے ہی نہ صرف رسید بلکہ اپنے تاثرات بھی پوسٹ کارڈ یا لفافے کے ذریعہ بھیج دیا کرتے تھے۔مگر آج کل اس بات میں کمی ہونے لگی ہے۔تاہم کچھ ایسے لوگ آج بھی موجود ہیں جو اپنا اخلاقی فرض نبھایا کرتے ہیں۔ایسے ہی لوگوں سے صاحبِ کتاب کو جو تاثرات ملتے ہیں وہ اپنی آئندہ تصنیف میں ان کو شامل کر لیتا ہے۔

ڈاکٹر شرف الدین ساحل کی تصیفات پر جو تاثرات موصول ہوے انھیں ان کے صاحبزادہ نے یکجا کر کے کتابی شکل میں بعنوان ''جذبۂ بے اختیار'' پیش کی ہے۔تاثرات پر مبنی سیکڑوں کی تعداد میں خطوط ملے تھے جن میں سے ۸۲/منتخب خطوط کو اس کتاب میں شامل کیا گیا ہے۔

نامور اور معتبر ادیبوں اور شاعروں کے خطوط کے علاوہ خود ان کے والد محترم (محمد یٰسین)اور دیگر ادباء حضرات کے خطوط بھی اس میں شامل ہیں۔جن لوگوں کے خطوط کتابِ ھٰذا میں شامل ہوئے ہیں وہ ہیں ساجد صدیقی (لکھنو)' مولانا وحیدالدین خاں (دہلی) یونس قنوجی،ناظر انصاری،شبنم سبحانی،علامہ شارق ایرایانی،معین الدین ندوی،مولانا عبدالماجد دریابادی،سید مسعود حسن رضوی،جوش ملسیانی،مالک رام،عبداللطیف اعظمی،ڈاکٹر حکیم چند نیر،عبدالقوی دسنوی،آنند نارائن ملاّ،مولانا عامر عثمانی،نذیر بنارسی،جگنّاتھ آزاد،علی جواد زیدی،ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں،ظ.انصاری،رشید حسن خاں،ڈاکٹر گیان چند جین،کالی داس گپتا رضا، ڈاکٹر حنیف نقوی،ڈاکٹر نذیر احمد،شمس الرحمن فاروقی،مشفق خواجہ،وارث علوی،نثار احمد فاروقی،قیصر الجعفری،رفعت سروش،پروفیسر شریف حسن قاسمی،ڈاکٹر جمیل جالبی،شانتی رنجن بھٹاچاریہ،پروفیسر عنوان چشتی،ملک زادہ منظور احمد،ڈاکٹر عقیل احمد،سید محمد طلحہٰ رضوی برق،ڈاکٹر احمد سجاد،ڈاکٹر اعجاز علی ارشد،رؤف خیر،پروفیسر محمد سمیع اللہ اسد،سعید رحمانی،شمیم حنفی،رفیق شاہین،راہی فدائی،منور رانا،ڈاکٹر محمود شیخ،معین الدین شاہین،سید یحیٰ نشیط کے علاوہ پاکستان سے خیام عارف،ساقی جاوید،نور احمد میرٹھی وغیرہم کے خطوط کو بھی جگہ دی گئی ہے۔ان خطوط کے مطالعہ سے گزشتہ صدی کی چھٹی دہائی تک کے ادبی منظر نامہ سے قارئین آگاہ ہو سکتے ہیں۔ان خطوط کے حوالے سے ایک سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ خود ساحل صاحب

کے والدگرامی کوسفرِ حج کے دوران کن دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔جگنّا تھ آزاد کے ادبی اسفار کی تفصلا ت سے بھی واقفیت ہوتی ہے۔اگر یہ کہا جایےتو غلطنہ ہوگا کہ یہ تمام خطوط اپنے شعروادب اور معاشرت وثقافت کی ایک دنیا اپنے اندر سموےیے ہوےیے ہیں۔کتا بکی ابتدا میں مرتب نے خود خطوط نگاری کے بارے جو حقائق پیش کیے ہیں وہ قابلِ مطالعہ ہے۔اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قبل ازیں مکتوبات پر مبنی کے متعدد مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔اخیر میں اتنا عرض کرنا چاہوں گا کہ کم ازکم ادباء وشعراء یا دوسرے قلم کار خود اپنے درمیان خطوط کا سلسلہ جاری رکھیں تا کہ فنِ مکتوب نگاری کا جنازہ کم ازکم ہمارے عہد میں نہ نکلے۔اس ضمن میں اپنے قارئین سے درخواست ہے کہ ہمارے رسالہ کے مطالعہ کے بعد اپنے تاثراتی خطوط سے ضرورنوازیں اور مکتوب نگاری کوفروغ دینے میں حصہ لیں۔

بہرحال یہ کتاب اس معنی میں دستاویزی اہمیت کی حال ہے کہ اس میں شامل خطوط کت توسط سے ڈاکٹر شرف الدین ساحل ہمہ جہت شخصیت کے سبھی گوشے منور ہوجاتے ہیں۔اس کے علاوہ ریسرچ اسکالروں کے لیے بھی یہ کتاب مشعلِ راہ ثابت ہوسکتی ہے۔اس کی قیمت ہے صرف ۲۰۰ روپیہ اور ملنے کا پتہ ہے:

ساحل کمپیوٹرس۔حیدری روڈ۔مومن پورہ۔نا گپور ۴۴۰۰۱۸ (مہاراشٹر)

کتاب کا نام۔کنٹیلی راہیں (ہندی کی نمائندہ سماجی کہانیاں)

مصنفہ۔ڈاکٹر زیبا رشید ☆ مترجم۔ڈاکٹر عزیز اللہ انصاری

مبصر۔عبدالمتین جامی

کتاب ھٰذا کے مترجم ڈاکٹر عزیز اللہ شیرانی ادبی دنیا کی جانی پہچانی شخصیت ہیں۔گزشتہ کئی دہائیوں سے اردو کی خدمت انجام دیتے آرہے ہیں۔انہوں نے تحقیق ،تنقید ،تاریخ وفلسفہ نثرونظم ،ترجمہ نگاری اور افسانوی ادب میں کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں۔

اب تک ان کے چار افسانوی مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ان کے نام ہیں سنگِ زر،زخموں کے پھول ،وردان اور کامیابی کی کہانیاں۔یہ سبھی مجموعے اہلِ نقد ونظر نیز قارئین سے دادِ تحسین وصول کر چکے ہیں۔کامیاب ترجمہ نگار کی حیثیت سے بھی انھیں شہرت حاصل ہے۔ترجمہ پر مشتمل ان کی تین کتابیں رشتوں کی آنچ (ناول)'بندشوں کے درمیاں (ڈرامے) اور کنٹیلی راہیں (کہانیاں) کامیاب ترجمہ نگاری کی شاہد ہیں۔

علاوہ ازیں انھوں نے تدریسی کتابیں بھی لکھی ہیں جن کے نام ہیں:اردو درس وتدریس (بی.ایڈ) آزمائشِ اردو ،تعمیر اردو (مقابلہ جاتی امتحان اردو) اردو کا مراسلاتی نصاب (کوریس پنڈینس کورس) اردو زبان کی تدریس (بی.ایس.ٹی.سی)' آؤ ہم پڑھیں.اول،دوم،سوم،پرائمری (اردو)

ادبی کتابوں میں تحقیق وتنقید،تبصراتی تجزیے'نظیر اکبرآبادی کی شاعری میں ہندستانی عناصر،پروفیسر پریم شنکر سری واستو کے منتخب طنزیہ مزاحیہ مضامین کے ذریعہانھوں نے اردو کے ذخیرے کو مالا مال کیا ہے۔گرانقدر ادبی خدمات کے اعتراف میں بہار اردو اکاڈمی ایوارڈ کے علاوہ محسنِ اردو ایوارڈ پروفیسر پریم شنکر ایوارڈ.ٹیزن سوسائٹی فار ایجوکیشن جودھ پور اور منشی پریم چند ایوارڈ سے بھی نوازے جا چکے ہیں۔

افسانوی مجموعہ "کنٹیلی راہیں" کی تخلیق کار ڈاکٹر زیبا رشید ہیں۔اس میں ہندی کے نمائندہ سماجی افسانے شامل ہیں۔ان افسانوں کو ڈاکٹر شیرانی نے اردو قالب میں ڈھالا ہے۔اس پر تبصرے سے پہلے ضروری سمجھتا ہوں کہ مصنفہ کا تعارف پیش کردوں۔موصوفہ گزشتہ پانچ دہائیوں سے ہندی اور راجستھانی زبانوں میں افسانے لکھتی آرہی ہیں۔ایک عورت ہونے کے ناطے ان کے بیشتر افسانے نسوانی جذبات کی نمائندگی کرتے ہیں۔ڈاکٹر اختر الواسع کے بموجب ڈاکٹر زیبا رشید کی قامت کے بارے میں اردو والے بالکل ناواقف ہیں۔"کیوں کہ پیار کیا" کا حیدر آباد میں ترجمہ ہوا مگر موضوع کی سنگلاخی مردوں کو پسند نہیں آئی۔اس لیے ان کے خیر مقدم میں سردروی نظر آئی۔یہ محض اتفاق نہیں ہے کہ جودھ پور جو کہ زیبا رشید کی جائے پیدائش ہے جہاں عصمت چغتائی جیسی مشہور زمانہ فنکار بھی پلی بڑھی ہیں اور اتفاق سے ان کا موضوع بھی وہی تھا جو زیبا رشید کا ہے

ڈاکٹر عزیز اللہ شیرانی نے اس کتاب پر اپنے پیش لفظ میں رقمطراز ہیں کہ ۱۹۴۳ء میں جودھ پور میں پیدا ہونے والی زیبا رشید کا تخلیقی سفر ۱۹۶۸ء سے شروع ہوا اور ۱۹۶۸ء سے تا حال ان کی کہانیوں کے مجموعے ،ناولیں ،طنز ومزاحیہ مضامین ملک اور بیرونِ ملک کے رسائل میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ان کا پہلا ناول "لمحے کی چبھن" ۱۹۹۶ء میں شائع ہوا تھا۔"کیوں کہ عورت نے پیار کیا" ۲۰۰۹ء میں شایع ہوا جس کا اردو میں ترجمہ نہال افروز نے ۲۰۱۶ء میں کیا تھا اور ۲۰۱۷ء میں اس کی اشاعت عمل میں آئی تھی۔اس کے علاوہ ان کے افسانوں کے کئی مجموعے بھی شایع ہو چکے ہیں۔

ڈاکٹر زیبا رشید کی کہانیوں اور ناولوں کے ترجمے دیگر زبانوں مثلاً انگریزی،کنڑ،مراٹھی،سندھی،راجستھانی اور اردو میں ہو چکے ہیں۔صدرِ جمہوریہ ہند اے.پی.جے.عبدالکلام نے ان کے ایک افسانہ "چڑیا ایک ماں" کو "اعزاز نامہ عطا کیا ہے۔گورنر مغربی بنگال جناب کیسری ناتھ ترپاٹھی نے ان کی کہانیوں اور طنزومزاح کو قابلِ تعریف تخلیق کا درجہ دیا۔چین کی وونگ تو نگ یونیورسیٹی سے شائع ہونے والی ہندی میگزین نسائی ادب نمبر کی مہمان ایڈیٹر کی حیثیت سے ان کا تقرر کیا جاچکا ہے۔ان کی تخلیقات چین،کناڈا،کیلیفورنیا،جاپان،کے علاوہ درونِ

ملک ممبئ ،مہاراشٹر ،اودے پور ،اندور ،بیکانیر اور دہلی وغیرہ کئی بڑے شہروں سے شائع ہونے والے رسائل میں مسلسل چھپتی رہی ہیں۔

انہوں نے کئی ہندی کتابوں کے راجستھانی زبان میں تر جمے کئی ہیں۔ اگر اجمالاً دیکھا جائے تو زیبارشید کی فکشن کی دنیا میں ایک کامیاب فکشن نگار کی حیثیت سے اپنی منفرد شناخت رکھتی ہیں۔

ڈاکٹر عزیزاللہ صاحب کے بموجب ''کنٹیلی راہیں''میں شامل تمام کہانیاں ہندی کی شاہکار کہانیاں ہیں۔اس لئے انہیں اردو کا جامہ پہنانے کا خیال ان کے ذہن میں آیا۔واقعی تمام کہانیاں ایک سے بڑھ کر ایک ہیں ۔عزیزاللہ صاحب نے جن کہانیوں کا انتخاب کیا ہے یقین ہے کہ وہ اردو والوں کی توجہ کا مرکز بنیں گی۔تبصرے کے لئے مختص تھوڑی سی جگہ پر تفصیلات کی گنجائش نہیں ۔تاہم اردو والوں کو راجستھان سے تعلق رکھنے والی خاتون قلم کار ڈاکٹر زیبارشید کی کہانیاں یقیناً پسند آئیں گی انھیں اردو جامہ عطا کر کے ڈاکٹر شیرانی نے ایک اہم کام انجام دیا ہے۔

کتاب کی قیمت ہے۔صرف ۳۰۰ روپیہ اور ملنے کا پتہ ہے۔

ڈاکٹر زیبارشید،۱۵۱چوپاسنی چنگی چوکی۔جودھ پور۳۴۲۰۰۸ (راجستھان)

کتاب کا نام۔بہار،بنگال اوراڑیسہ کے قلمکار (تاثراتی مضامین)

مصنف:احسن امام احسن　　　مبصر۔سعید رحمانی

ادب کے عصری منظر نامہ میں احسن امام احسن ایک ہمہ جہت قلمکار کی حیثیت سے مستحکم سناخت رکھتے ہیں۔طویل ادبی سفر کے دوران کے پانچ مجموعے منصۂ شہود پہ آ کر اہلِ ادب سے خراج حاصل کر چکے ہیں ۔ان میں سمندر شناس اورخواب کا سمندر غزلوں اور نظموں پر مشتمل ہیں جبکہ مہاراشٹر کے قلمکار، جھاڑکھنڈ کے قلمکاراور یہ تازہ ترین مجموعہ بہار، بنگال اوراڑیسہ کے قلمکار تاثراتی مضامین پر مشتمل ہے ۔اس کے علاوہ اتر پردیش،تامل ناڈو کے قلمکاروں کے ساتھ ساتھ خود ان کے اپنے پسندیدہ قلمکاروں کے مجموعے زیرِ ترتیب ہیں۔

بہر حال زیرِ نظر مجموعے میں بہار کے دس ،بنگال کے آٹھ اوراڑیسہ کے تیرہ قلمکاروں کے فکروفن پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ان قلمکاروں میں ادیب بھی ہیں اور شاعر بھی ۔احسن امام احسن صاحب کی یہ کاوش اس لئے لائقِ تحسین ہے کہ آج کے اس دورِ نا پرساں میں انہوں نے ذاتی تحفظات سے بالا ہوکر اردو دنیا کی ادبی شخصیتوں پر مقالات پیش کر کے صالح قدروں کی پاسداری کی ہے ۔نثری اور شعری ادب پراس طرح سیر حاصل گفتگو کی ہے کہ اس میں جانب داری کا شائبہ تک نہیں ہے۔

موصوف نے اپنے مضامین کو اگر چہ تاثراتی کہا ہے لیکن ناچیز کی رائے میں یہ مضامین تنقید کی ذیل میں بھی آتے ہیں کیونکہ کہیں کہیں انہوں نے کچھ قلمکاروں کی خامیوں کا ذکر بھی کیا ہے مثلاً ایک مضمون ''سبطین پروانہ کی نعتیہ شاعری'' پر گفتگو کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ موصوف کی شاعری میں ابھی اتنی پختگی نہیں آئی ہے ان کا ایک شعر ہے:۔

تاجدارِ انبیاء ہے آمنہ کی گود میں
یعنی محبوبِ خدا ہے آمنہ کی گود میں

احسن صاحب نے اس شعر میں ''ہے'' کی جگہ ''ہیں'' کرنے کا مشورہ دیا ہے جو بجا ہے کیونکہ تاجدارِ انبیاء والا صفات کے لئے تو ،تیرا،تم جیسے الفاظ قطعی زیب نہیں دیتے۔حالانکہ ایسی مثالیں ماضی کے اساتذہ کے یہاں بھی مل جاتی ہیں لیکن حالیہ دور میں عموماً اس کو معیوب سمجھا جانے لگا ہے۔

کتاب میں شامل مضامین سے پتہ چلتا ہے کہ احسن صاحب نے قلمکاروں کی تخلیقات کا گہرائی سے مطالعہ کیا ہے اور ان پر بے لاگ تبصرہ اس طرح کیا ہے کہ موصوف کی ژرف بینی،ادبی،شعری اور تنقیدی بصیرت واضح نظر آتی ہے۔

مجموعی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ احسن امام احسن ایک خوش فکر اور کہنہ مشق شاعر ہونے کے علاوہ ایک صاحبِ بصیرت نثر نگار بھی ہیں ۔اندازِ تحریر بے حد شگفتہ اور رواں دواں ہے۔مختصر مختصر جملوں میں بھی بڑی گہرائی کی بات کہہ جاتے ہیں۔

بقول ڈاکٹر آفاق عالم صدیقی ''ان کے مضامین کے مطالعہ سے کم از کم یہ بات تو صاف ہو جاتی ہے کہ احسن امام احسن آج کے ہونہار قلمکاروں میں سے ایک ہیں اور مفادات کا شکار ادبی گروپ پسند قلمکاروں کے درمیان اپنے جینوئین قلمکار والی شناخت کے ساتھ ان قلمکاروں پر بغیر کسی ذہنی تحفظات کے ساتھ لکھتے ہیں۔فی زمانہ ایسے صاف ستھرے ذہن کے حامل مخلص قلمکاروں کی بہت کمی رہی ہے''۔

مختصراً کہا جا سکتا ہے کہ یہ کتاب تذکرہ نگاری کے باب میں ایک سنگِ میل کے مصداق ہے ۔اوراس کی دستاویزی حیثیت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا ہے۔امید ہے کہ اہلِ ادب خوش دلی سے اس کا استقبال کریں گے۔۱۹۲صفحات پر مشتمل عمدہ طباعت کے ساتھ اس کی قیمت ہے ۲۰۰ روپے جو ذیل کے پتے سے حاصل کیا جا سکتی ہے۔

B1.63,CMPDI Colony Near TV Centre
PO:SainikSchool..Bhubaneswar-751005(Odisha)

☆☆☆

مراسلات وثقافتی خبریں

(مراسلہ نگار کی رائے سے اتفاق ضروری نہیں ہے)

☆شاخ انور (عادل آباد۔آندھرا)

آپ جانتے ہیں کہ ''اخبارِ اڑیسہ'' کے زمانے سے میں آپ کے ادارے سے جڑا ہوا ہوں۔ پھر ادبی محاذ بھی پابندی سے ملنے لگا تھا۔ان دونوں رسائل میں آپ نے میری تخلیقات کو جگہ دے کر حوصلہ افزائی کی ہے جس کے لیے میں آپ کا بے حد شکر گزار ہوں۔

چند نا مساعد حالات کے سبب میں تجدیدِ خریداری نہیں کر سکا جس کے باعث گزشتہ چند سالوں سے اس ادبی جریدے کے مطالعہ سے محروم رہا۔چند ماہ قبل مجھے ادبی محاذ کے دوشمارے ملے تو بے حد خوشی ہوئی اس بات کے لیے کہ آپ ناچیز کو نہیں بھولے ہیں۔اگر چہ اب تک میں نے زرِ سالانہ ادا نہیں کیا ہے اس کے باوجود گاہے گاہے آپ ادبی محاذ بھیجتے رہتے ہیں۔ یہ ناچیز پر آپ کا بڑا احسان ہے۔میری کوشش ہے کہ حالات معمول پر آتے ہی زرِ سالانہ بھیج دوں گا۔آپ سے دعا کی گزارش ہے۔ایک غزل اور ایک نعتِ پاک ارسالِ خدمت ہے۔امید ہے شاملِ اشاعت کر کے شکریہ کا موقع دیں گے۔

☆اوج اکبرپوری (رہتاس۔مدھیہ پردیش)

جنوری تا مارچ ۲۰۲۱ء کا ادبی محاذ بہت جلد یعنی فروری ہی میں اشاعت پذیر ہو گیا اور مجھے وقت پر مل گیا۔ یہ شمارہ گوشۂ قاضی مشتاق احمد پر مشتمل ہے۔ گوشہ بڑا مختصر ہے۔قاضی صاحب زبان ادب کی جس طرح خدمت انجام دے رہے ہیں اس کے لیے مبسوط گوشے کی ضرورت ہے۔اس میں شامل ان کی افسانہ نگاری اور مطبوعہ کتابوں کی تفصیلات سے معلومات میں خاطر خواہ اضافہ ہوا۔

محترم پروفیسر محفوظ الحسن کا مضمون ''چند نعتیہ مجموعے: تاثراتی مطالعہ'' افادیت کا حامل ہے جس کے مطالعہ سے مذکورہ مجموعوں کے محاسن کا پتہ چلتا ہے۔انھوں نے بڑی گہرائی سے ان کا مطالعہ کر کے تبصرہ نگاری کا حق ادا کر دیا ہے۔اس کے علاوہ افسانوں، غزلوں، نظموں اور طرحی کلام کو شامل کر کے سمندر کو کوزے میں بند کرنے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے۔اس میں اپنی غزل دیکھ کر خوشی ہوئی۔اس کے علاوہ میری کتاب '' گاہے گاہے باز خواں'' پر آپ کا تبصرہ اچھا لگا۔اس کے لیے میں آپ کا تہہ دل سے ممنون ہوں۔خدا کرے کہ ادبی محاذ کے سبھی اراکین بخیر و عافیت ہوں۔والسلام

ڈاکٹر قطب سرشار کی پہلودار شخصیت تحقیق کا گرانقدر موضوع: ڈاکٹر عبدالنعیم

حیدرآباد۔3 جنوری (پریس نوٹ) اردو کے نامور شاعر، نقاد و محقق اور ترجمہ نگار کی حیات اور ادبی خدمات کے حوالے سے ڈاکٹر محمد عبدالنعیم کی تحقیقی تصنیف ''ڈاکٹر قطب سرشار بہ حیثیت شاعر، نقاد اور مترجم'' کی رسم اجراء اور اس حوالے سے مشاہیر ادب کا اظہار خیال دوسری کتاب ڈاکٹر قطب سرشار کے چوتھے شعری مجموعے کی رسم اجراء اور اظہار خیال پر مبنی 2 جنوری 2021ء کو میڈیا پلس آڈیٹوریم عابڈز پر انجام پائی۔ پروفیسر فضل اللہ مکرم صدر شعبہ اردو یونیورسٹی آف حیدرآباد نے ادبی اجلاس کی صدارت اور ڈاکٹر محمد عبدالنعیم کی کتاب ''ڈاکٹر قطب سرشار بہ حیثیت شاعر' نقاد اور مترجم'' کی رسم اجراء انجام دینے کے بعد کتاب کے حوالے سے اظہار خیال کرتے ہوئے فرمایا ڈاکٹر قطب سرشار ایک ہمہ جہت صلاحیتوں کے حامل قلمکار ہیں، لہٰذا جب کوئی ریسرچ اسکالر پی ایچ ڈی کے لئے قطب سرشار پر تحقیقی کام کرنے لگتا ہے تو اس کی تحقیق کچھ عرصے بعد پوری ہو جاتی ہے لیکن ڈاکٹر سرشار کا تخلیقی وتنقیدی سفر پورا نہیں ہو پاتا۔اس لئے کہ ڈاکٹر قطب سرشار ہمہ جہت قلمکار کا تخلیقی وتنقیدی سفر جاری ہے، اس لئے کہ قطب سرشار کے اندر کا تخلیق کار زندہ ہے۔ڈاکٹر عبدالنعیم نے تحقیق کے لئے ڈاکٹر قطب سرشار کو چن لیا اور مقالہ کی تحریر مکمل کر لی، ادھر ڈاکٹر قطب سرشار کا تخلیقی سفر لگاتار جاری ہے یعنی کبر سنی کے باوجود قطب سرشار کے اندر کا تخلیق کار زندہ ہے، ایسے ہمہ جہت قلمکار پر تحقیقی کام بھی لگاتار ہونا چاہیے۔شہر حیدرآباد کی تر زبان و رطب اللسان پروفیسر فاطمہ پروین نے ڈاکٹر قطب سرشار کی پہلو دار شخصیت کی ترجمانی تخلیقی زبان میں کرتے ہوئے فرمایا کہ تخلیق، تنقید، تحقیق اور ترجمہ نگاری کے عناصر جب یکجا ہو جاتے ہیں تو ڈاکٹر قطب سرشار کی شبیہ ابھرتی ہے۔اردو محقق اور ادبی صحافی مدیر ریختہ نامہ، مصطفیٰ علی بیگ المعروف ڈاکٹر جاوید کمال نے ڈاکٹر عبدالنعیم کے مقالے ڈاکٹر قطب سرشار بہ حیثیت شاعر، نقاد اور مترجم تفصیلی جائزہ لیتے ہوئے مقالے کے تمام سات ابواب کا احاطہ کیا ہے۔اجلاس کے دوران شہ نشین پر موجود صدر اجلاس صدر مرزا غالب اکیڈمی حیدرآباد اور ناظم اجلاس اور خصوصاً ڈاکٹر محمد عبدالنعیم کو ان مقالے کی اشاعت پر ڈاکٹر قطب سرشار کی شعری تصنیف پر مبارکباد پیش کرتے ہوئے گلپوشی اور شال پوشی کی گئی۔اس موقع پر تلنگانہ اسٹیٹ اردو اکیڈمی کے کارنامہ حیات انعام یافتہ پروفیسر مجید بیدار، ڈاکٹر جاوید کمال اور مزاح نگار و مدیر عدسہ جناب میر فاروق علی کو مرزا غالب اکیڈمی نے توصیف نامہ پیش کرتے ہوئے گلپوشی اور شال پوشی کی۔ اجلاس کی تمام ترعکس بندی الکٹرانک میڈیا کی نامور شخصیت جناب جاوید نسیم نے فرمائی۔ یوسف روش صاحب نے ڈاکٹر قطب سرشار کے اعزاز میں تہنیتی نظم تحفتاً پیش کی۔

(مرسلہ از محبوب خان اصغر معتمد عمومی مرزا غالب اکیڈمی حیدرآباد)

☆☆☆

طرحی مشاعرہ

مصرعِ طرح ''جو مرنا نہ جانے وہ کیا جانے جینا'' پر غزلیں پیش ہیں۔ اگلے شمارے کے لیے طرح نوٹ فرمائیں: ''مدتیں گزریں ابھی تک یاد ہے'' (شاعر۔فصاحت بیگ جلیل) قوافی: یادٗ آبادٗ شاد وغیرہ۔ ردیف ہے۔ پانچ اشعار پر مشتمل آپ کی طرحی غزل ۲۰ رمئی ۲۰۲۱ء کے اندر ہمیں مل جانی چاہیے۔ رسالہ اگر تاخیر سے ملے تو وصول یابی کے ایک ہفتے کے اندر ارسال کر سکتے ہیں۔ (ادارہ)

عبدالمجید فیضی (سمبلپور)

Mob-9778291038

ہے آساں کہاں زندگی کا قرینہ
''جو مرنا نہ جانے وہ کیا جانے جینا''

کوئی مجھ سے سیکھے مئے ناب پینا
میں پیتا ہوں چلّو سے بے جام و مینا

کھلا ہے نہ کھل پایے گا راز میرا
کہ رازِ دروں کا دفینہ ہے سینہ

نہ گرداب کا ڈر نہ طوفاں کا خدشہ
خدا کے حوالے ہے میرا سفینہ

نشیبِ و فرازِ رہِ زندگی میں
قدم رکھنے کا بھی ہو فیضی قرینہ

اولادِ رسول قدسی (نیویارک' امریکہ)

Mob-=+1(832)352-1992

جب الفت کی آتش میں جلتا ہو سینہ
کرے کیسے آسودہ پھر کھانا پینا

گلابوں سے لپٹے یہ کہتے ہیں کانٹے
''جو مرنا نہ جانے وہ کیا جانے جینا''

جو دیکھا کرے دل کی آنکھوں سے ہردم
جہاں میں کہاں ایسا ملتا ہے بینا

فدا اس پہ تھیں مشک وعنبر کی جانیں
مہکتا تھا جس کے بدن کا پسینہ

ہے تحت الشعور اس کے قبضے میں قدسی
ملا جس کو فکر و نظر کا قرینہ

محمد ممتاز شعور (سنبلپور (اڈیشا)

Mob-6370768671

بڑی مشکلوں میں پڑا مجھ کو جینا
کہ رنج و الم سے ہے بھر پور سینہ

خدا جانے کیوں غم ہی غم ہے مقدر
نہ ہاتھ آیا اپنے خوشی کا خزینہ

بہت کوششیں کیں' بہت کی مشقت
نہ آیا اسے زندگی کا قرینہ

اسے تند موجوں سے یارب بچالے
کہیں ڈوب جایے نہ میرا سفینہ

شعور آپ قاتل سے کیوں ڈر رہے ہیں
''جو مرنا نہ جانے وہ کیا جانے جینا''

ڈاکٹر نگار سلطانہ (واٹ گنج کولکاتا)

Mob-=9830048878

محبت کا دیکھو جو آیا مہینہ
کہیں بن نہ جایے وہ کھوٹا نگینہ

محبت کا مطلب ہے مر مر کے جینا
یہی سوچ کر مجھ کو آیے پسینہ

بہت جوش میں ہے یہ موجِ تلاطم
نہ ڈوبے کہیں اس میں میرا سفینہ

مصیبت میں بھی لوگ جیتے ہیں کیسے
مجھے بھی سکھاؤ ذرا وہ قرینہ

نہیں عشق آساں نگار اتنا سمجھو
''جو مرنا نہ جانے وہ کیا جانے جینا''

رمیش تنہار (امبالہ کینٹ ہریانہ)

9996050013 موبائل

یوں دیتا ہے لَو اس کے رخ کا پسینہ
دمکتا ہے خاتم میں جیسے نگینہ

ہے گرداب میں زندگی کا سفینہ
یہ کیا زندگی ہے نہ مرنا نہ جینا

ہے سینہ مرا تیرے غم کا دفینہ
محبت نے بخشا مجھے یہ خزینہ

نثارِ رہِ خدمتِ خلق ہو جا
یہی اک ہے حق تک پہنچنے کا زینہ

جو مرنے سے ڈرتے ہیں ان کو بھی تنہا
سکھا دے کوئی زندگی کا قرینہ

سردار ساحل (کڑپہ' آندھرا)

موبائل۔

خودی مٹ گئی تو ملا رب کا زینہ
یہ ہے اس کو پانے کا واحد قرینہ

سمندر کی موجیں محافظ ہیں میری
نہ میں ناخدا ہوں نہ میرا سفینہ

ہر ایک چیز سر سبز دکھنے لگی ہے
نگاہوں میں جب سے بسا ہے مدینہ

لہو کو قلم کی سیاہی بنا کر
گلستاں بنایا ہے کاغذ کا سینہ

مری کاوشوں کا ثمر ہے یہ ساحل
غزل کا ہر اک شعر جیسے نگینہ

حمید عکسی (ورنگل' تلنگانہ)

موبائل۔9000719016

دکھا دے الٰہی مجھے وہ مدینہ
جہاں پر ہے موجود جنت کا زینہ

رہِ عشق میں موت ہی زندگی ہے
''جو مرنا نہ جانے وہ کیا جانے جینا''

مصائب کے سائے میں رہتے ہوئے بھی
مجھے آگیا زندگی کا قرینہ

مرے دل میں یاد ان کی جب سے مہماں
تبھی سے منور ہے میرا یہ سینہ

جو دیتا ہے دھوکا زمانے کو عکسی
ہے میری نظر میں بڑا وہ کمینہ

حیدر مظہری (بیلاری کرناٹک)

موبائل۔9844428175

بھنور سے نکالا ہے اس نے سفینہ
''جو مرنا نہ جانے وہ کیا جانے جینا''

خموشی تھی بہتر زمانے کے حق میں
ذرا لب کھلے کیا قیامت مچی نا

بڑا زعم دیدار کا رکھنے والا
ہے چلمن کے آگے پسینہ پسینہ

کتابوں میں ڈھل کر وہ معدوم سے ہیں
کئی راز آیے تھے سینہ بہ سینہ

ہوا میکدے کا برا حال حیدر
نہ مئے ہے' نہ مینا' نہ ہی آبگینہ

سبطین پروانہ (کٹیہار' بہار)

Mob-9472217246

مرے ہاتھ آیا ہے ایسا دفینہ
مجھے مل گیا بیش قیمت خزینہ

الٰہی اسے تو کنارے لگا دے
گھرا ہے تلاطم میں میرا سفینہ

چلاتا ہے باتوں کا وہ تیز خنجر
ہوا جا رہا ہے مرا چاک سینہ

ضروری ہے جینے کا سیکھیں سلیقہ
''جو مرنا نہ جانے وہ کیا جانے جینا''

سکوں جس سے حاصل ہو پروانہ مجھ کو
سکھا دے کوئی آ کے ایسا قرینہ

عارف محمد عارفؔ (بھدرک' اڈیشا)

موبائل۔

کیا میں نے طوفاں کے آگے جو سینہ
بھنور سے ہوا پار میرا سفینہ

رہِ عشق میں جاں لٹاؤ تو جانیں
''جو مرنا نہ جانے وہ کیا جانے جینا''

کہ چھوٹا سا اک گھر بنانے کی خاطر
بہایا ہے ہم نے بہت خوں پسینہ

زمیں پھر سے سرسبز ہونے لگے گی
چلا آیا ساون کا پھر سے مہینہ

نگاہوں سے جادو جگاتی ہے عارف
بڑی شوخ چنچل ہے وہ اک حسینہ

اوج اکبرپوری (رائسین۔ایم پی) Mob-[illegible]

مقدس مکرم ہے حج کا مہینہ — سکھاتا ہے ہم کو ادب کا قرینہ
مقدر کا ہے وہ سکندر یقیناً — جو دیکھ آیا جاکر دیارِ مدینہ
مقابل نہیں کوئی اس کا جہاں میں — کہ ہے نورِ ایماں سے روشن جو سینہ
فنا و بقا دونوں یکساں ہیں لیکن — ''جو مرنا نہ جانے وہ کیا جانے جینا''
دعا ماں کی اے اوج یوں کام آئی — لگا جاکے ساحل پہ میرا سفینہ

افضل مظفرپوری (امظفرپور،بہار) Mob-9955029167

محبت میں مرنا محبت میں جینا — رہِ عشق کا ہے یہی ایک زینہ
جلاہوں میں حالات کی آگ میں یوں — کہ آتا نہیں اب کبھی بھی پسینہ
ہے پانا اگر کچھ تو کھونا پڑے گا — ''جومرنا نہ جانے وہ کیا جانے جینا''
محبت میں رسوائی طے ہے یقیناً — مگر مانتا ہی نہیں وہ کمینہ
اسے کھو کے پچھتا رہا ہوں میں افضل — ملی تھی کبھی ایک چنچل حسینہ

نظام جلالپوری (امظفرپور،بہار) Mob-9199874010

ہے مشکل بہت اس کی فرقت میں جینا — جدائی کا اک پل ہے جیسے مہینہ
نشہ عشق کی مئے کا اترے کبھی نا — میسر جو ہو ان کی آنکھوں سے پینا
اندھیرے مرے دل میں اتریں گے کیسے — ترے عشق میں میرا روشن ہے سینہ
محبت نبھانا نہیں کام آساں — ''جو مرنا نہ جانے وہ کیا جانے جینا
چرا لے گئی میرے دل کو اچانک — ملی تھی نظام ایک ایسی حسینہ

یونس عاصم (کٹک) موبائل۔9090156995

مجھے زندگی کا نہ آیا قرینہ — شب و روز مر مر کے پڑتا ہے جینا
کوئی دیکھ سکتا نہیں اس کا جلوہ — مگر دیکھتی ہے اسے چشمِ بینا
اسی واسطے میں غنی ہوگیا ہوں — ملا خاکساری کا مجھ کو خزینہ
اچھالو نہ سنگِ ملامت رفیقو! — ہے نازک بہت دل کا یہ آبگینہ
اٹھاؤ قدم حوصلہ گر جواں ہے — چلو چیر ڈالیں چٹانوں کا سینہ

نظام مجھولیاوی (مظفرپور بہار) موبائل۔9973047938

محبت کا جذبہ ہے جیسے نگینہ — منور ہوا جس سے عاشق کا سینہ
ترے ہجر میں یوں برستی ہیں آنکھیں — لگے جیسے ساون کا ہے یہ مہینہ
یقناً میں پہنچوں گا منزل پہ اپنی — قدم آگے بڑھتے ہیں زینہ بہ زینہ
محبت میں قربانی ہے شرطِ اول — ''جو مرنا نہ جانے وہ کیا جانے جینا''
نظام ان کی آنکھوں سے میں پی رہا ہوں — ہٹا دو یہاں سے ہر اک جام و مینا

غلام نبی حسن قادری (مظفرپور بہار) موبائل۔9934945133

جسے پینے کا ہی نہ آیے قرینہ — وہ کیا خاک سمجھے ہے کیا جام و مینا
کسی میکدے کی اسے کیا ہو حاجت — جسے چشمِ ساقی سے آجایے پینا
ہو گر خود غرض بحرِ الفت کا مانجھی — تو ہو جاتا ہے غرق اکثر سفینہ
ہے جینے سے پہلے ہی مرنا ضروری — ''جو مرنا نہ جانے وہ کیا جانے جینا''
حسن تیغی چاہے جتن لاکھ کرلے — مقدر سے زیادہ ملے گا کبھی نا